اَلضَّآلِّينَ ، ضَلَٰلٍ مُّبِينٍ کے معنی ومفہوم، ابتدا ومنتہا

اللہ تعالیٰ نے آقائے نامدار ﷺ کو قرآنِ مجید میں ایک احسن قصہ بتایا جو یوسف علیہ السلام اوران کے برادران سے متعلق ہے

نَحۡنُ نَقُصُّ عَلَيۡكَ أَحۡسَنَ ٱلۡقَصَصِ بِمَآ أَوۡحَيۡنَآ إِلَيۡكَ هَٰذَا ٱلۡقُرۡءَانَ

''ہم آپ (ﷺ) کو ایک بہترین قصہ سناتے ہیں اس قرآنِ مجید میں جو ہم نے آپ (ﷺ) پر نازل کیا ہے

وَإِن كُنتَ مِن قَبۡلِهِۦ لَمِنَ ٱلۡغَٰفِلِينَ ٥

اوراس سے قبل آپ بھی ان میں سے تھے جو اس قصے کے بارے میں نہیں جانتے تھے'' (سورۃ یوسف۔۳)

اس قصے میں یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کی آپس میں کی گئی گفتگو کے متعلق ان کا یہ قول سورۃ یوسف کی آیت ۸ میں بتایا گیا ہے:

إِذۡ قَالُواْ لَيُوسُفُ وَأَخُوهُ أَحَبُّ إِلَىٰٓ أَبِينَا مِنَّا وَنَحۡنُ عُصۡبَةٌ إِنَّ أَبَانَا لَفِي ضَلَٰلٍ مُّبِينٍ ٨

''جب انہوں نے آپس میں کہا'' یوسف اوراس کا بھائی ہمارے والد صاحب کو ہم سے زیادہ پیارے ہیں

حالانکہ (تعداد میں) ہم ایک جمعیت ہیں بیشک ہماری جانب سے ہمارے والد بالکل غافل ہیں''

اس آیت مبارکہ کا ترجمہ اور تفسیر کرنے کے رواج کی ایک جھلک یہ ہے:

[ترجمہ مولانا محمد جوناگڑھی۔ تفسیر مولانا صلاح الدین یوسف۔ قرآنِ کریم شاہ فہد پرنٹنگ کمپلیکس۔ سعودی عرب] ''جب کہ انہوں نے کہا کہ یوسف اوراس کا بھائی بہ نسبت ہمارے باپ کو بہت زیادہ پیارے ہیں حالانکہ کہ ہم (طاقتور) جماعت ہیں، کوئی شک نہیں کہ ہمارے ابا صریح غلطی میں ہیں'' تفسیر: یہاں ضلال سے مراد وہ غلطی ہے جو ان کے زعم کے مطابق باپ سے یوسف علیہ السلام اور بنیامین سے زیادہ محبت کی صورت میں نمودار ہوئی]

[مولانا احمد رضا خان بریلوی۔ کنز الایمان فی ترجمۃ القرآن] ''جب بولے کہ ضرور یوسف اوراس کا بھائی ہمارے باپ کو ہم سے زیادہ پیارے ہیں اور ہم ایک جماعت ہیں۔ بیشک ہمارے باپ صراحۃً ان کی محبت میں ڈوبے ہوئے ہیں''

[مولانا محمد علی۔ بیان القرآن] ''جب انہوں نے کہا کہ یوسفؑ اوراس کا بھائی تو ہمارے باپ کو ہم سے زیادہ پیارے ہیں حالانکہ ہم قوی جماعت ہیں، یقیناً ہمارا باپ صریح غلطی پر ہے''۔

Yusuf Ali: They said "Truly Joseph and his brother are loved more by our fa ther than we: but we are a goodly body! Really our father is obviously wandering (in his mind)!

Pikthal: When they said: Verily Joseph and his brother are dearer to our father than we are, many though we be. Lo! our father is in plain aberration.

F. Malik: his step brothers held a meeting and said to one another: "This Yusuf and his brother (Benjamin) are loved more by our father than us, even though we are agroup of ten and can help him more than them. In fact, our father is clearly mistaken. (Reference "Computer CD "Alim" ISL Software Corporation USA)

یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے اپنے والد سیدنا یعقوب علیہ السلام کے اپنے ساتھ رویئے کے متعلق ضَلَـٰلٍ مُّبِينٍ کے جو الفاظ استعمال کئے تھے اس کا ترجمہ اور مفہوم سوائے مولانا احمد رضا خان بریلوی کے دوسروں نے عام طور پر ''صریح غلطی، صحیح طرزِ عمل سے ہٹنا'' کئے ہیں۔ ضَلَـٰلٍ کا مادہ ''ض ل ل'' ہے اور اسی مادہ سے ٱلضَّآلِّينَ ہے جسے موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کی ایک بات کا جواب دیتے ہوئے اپنے متعلق استعمال فرمایا تھا

قَالَ فَعَلْتُهَآ إِذًا وَأَنَا۠ مِنَ ٱلضَّآلِّينَ ﴿٢٠﴾

''اس نے کہا'' وہ فعل میں نے اس وقت کیا تھا جس وقت ٱلضَّآلِّينَ میں تھا'' (سورۃ الشعراء آیت۔۲۰)

اس آیت مبارکہ کا ترجمہ اور تفسیر کرنے کے عام رواج کی ایک جھلک یہ ہے:

[ترجمہ مولانا محمد جونا گڑھی۔ تفسیر مولانا صلاح الدین یوسف۔ قرآنِ کریم شاہ فہد پرنٹنگ کمپلیکس۔ سعودی عرب] ''(حضرت) موسیٰ (علیہ السلام) نے جواب دیا کہ میں نے اس کام کو اس وقت کیا تھا جبکہ میں راہ بھولے لوگوں میں سے تھا''۔ تفسیر: یعنی یہ قتل ارادتاً نہیں تھا بلکہ ایک گھونسہ ہی تھا جو اسے مارا گیا تھا، جس سے اس کی موت ہی واقع ہوگئی۔ علاوہ ازیں یہ واقعہ بھی نبوت سے قبل کا ہے جب کہ مجھ کو علم کی یہ روشنی نہیں دی گئی تھی]

[مولانا احمد رضا خان بریلوی۔ کنزالایمان فی ترجمۃ القرآن] ''موسیٰ نے فرمایا میں نے وہ کام کیا جبکہ مجھے راہ کی خبر نہ تھی''۔ تفسیری حاشیہ: میں نہ جانتا تھا کہ گھونسہ مارنے سے وہ شخص مرجائے گا میرا مارنا تادیب کیلئے تھا نہ کہ قتل کیلئے]

[مولانا محمد علی۔ بیان القرآن] ''کہا میں نے اسے اس حال میں کیا جب میں ناواقفوں میں تھا''

Yusuf Ali: Moses: "I did it then when I was in error.

Pikthal: He said: I did it then, when I was of those who are astray.

F. Malik: Musa replied: "I did that when I was a misguided youth.

(Reference "Computer CD "Alim" ISL Software Corporation USA)

موسیٰ علیہ السلام نے ایک خاص وقت اور حالت ریکیفیت میں سرزد ہونے والے فعل کے متعلق ارشاد فرمایا تھا کہ اس وقت میں ٱلضَّآلِّينَ میں سے تھا اور ان تراجم سے یہ ظاہر ہوتا ہے جیسے معاذ اللہ انہوں نے اپنے آپ کو ''راہ سے بے خبر، راہ سے بھولا ہوا، گمراہ، بھٹکایا ہوا نوجوان'' قرار دیا تھا۔ موسیٰ علیہ السلام نے درحقیقت کیا فرمایا تھا، اس پر بحث انشاء اللہ آگے کریں گے۔

موسیٰ علیہ السلام کا فرعون کے دربار میں ایک قول یہ بھی تھا

قَالَ عِلْمُهَا عِندَ رَبِّى فِى كِتَـٰبٍ ۖ لَّا يَضِلُّ رَبِّى وَلَا يَنسَى ﴿٥٢﴾

انہوں نے کہا ''ان کا علم میرے رب کے پاس کتاب میں ہے۔ میرا رب نہ غافل ہوتا ہے اور نہ ہی بھولتا ہے''

موسیٰ علیہ السلام کے سورۃ طہٰ کی آیت مبارکہ ۵۲ میں بیان کئے اس قول کا ترجمہ اور تفسیر کرنے کے عام رواج کی ایک جھلک یہ ہے:

[ترجمہ مولانا محمد جونا گڑھی۔ تفسیر مولانا صلاح الدین یوسف۔ قرآنِ کریم شاہ فہد پرنٹنگ کمپلیکس۔ سعودی عرب]

''جواب دیا کہ ان کا علم میرے رب کے ہاں کتاب میں موجود ہے، نہ تو میرا رب غلطی کرتا ہے نہ بھولتا ہے''

[مولانا احمد رضا خان بریلوی۔ کنز الایمان فی ترجمۃ القرآن]

''کہا ان کا علم میرے رب کے پاس ایک کتاب میں ہے، میرا رب نہ بہکے نہ بھولے''

Yusuf Ali: He replied: "The knowledge of that is with my Lord duly recorded: my Lord never errs nor forgets.

Pikthal: He said: The knowledge thereof is with my Lord in a Record. My Lord neither erreth nor forgetteth,

F. Malik: Musa replied: "That knowledge is with my Rabb, duly recorded in a Book. He neither makes a mistake nor does He forget."

(Reference "Computer CD "Alim" ISL Software Corporation USA)

اللہ تعالیٰ کا آقائے نامدار ﷺ کے متعلق سورۃ النجم کی آیت ۲ میں فرمان ہے

مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوَىٰ ﴿٢﴾

''تمہارے آقا (آقائے نامدار رسولِ کریم ﷺ) نہ تو غافل تھے اور نہ غلط سمجھا ہے''

اس آیت مبارکہ کا ترجمہ اور تفسیر کرنے کے عام رواج کی ایک جھلک یہ ہے:

[ترجمہ مولانا محمد جونا گڑھی۔ تفسیر مولانا صلاح الدین یوسف۔ قرآنِ کریم شاہ فہد پرنٹنگ کمپلیکس۔ سعودی عرب]

''کہ تمہارے ساتھی نے نہ راہ گم کی ہے نہ وہ ٹیڑھی راہ پر ہے'' تفسیر: یہ جواب قسم ہے۔ صاحبکم (تمہارا ساتھی) کہہ کر نبی ﷺ کی صداقت کو واضح تر کیا ہے کہ نبوت سے پہلے چالیس سال اس نے تمہارے ساتھ اور تمہارے درمیان گزارے ہیں، اس کے شب و روز کے تمام معمولات تمہارے سامنے ہیں، اس کا اخلاق و کردار تمہارا جانا پہچانا ہے، راست بازی اور امانت داری کے سوا تم نے اس کے کردار میں کبھی کچھ اور بھی دیکھا؟ اب چالیس سال کے بعد وہ نبوت کا دعویٰ کر رہا ہے تو ذرا سوچو، وہ کس طرح جھوٹ ہوسکتا ہے؟ چنانچہ واقعہ یہ ہے کہ وہ نہ گمراہ ہوا ہے نہ بہکا ہے، ضلالت، راہ حق سے وہ انحراف ہے جو جہالت اور لاعلمی سے ہو اور غوایت وہ کجی ہے جو جانتے بوجھتے حق کو چھوڑ کر اختیار کی جائے۔ اللہ تعالیٰ نے دونوں قسم کی گمراہیوں سے اپنے پیغمبر کی تنزیہ فرمائی ہے]

[مولانا احمد رضا خان بریلوی۔ کنز الایمان فی ترجمۃ القرآن] ''تمہارے صاحب نہ بہکے نہ بے راہ چلے''

[مولانا محمد علی۔ بیان القرآن] ''تمہارا ساتھی گمراہ نہیں ہوا اور نہ بہکا ہے''

Yusuf Ali: Your Companion is neither astray nor being misled.

Pikthal: Your comrade erreth not, nor is deceived;

F. Malik: your companion (Muhammad) is neither astray, nor misguided,

(Reference "Computer CD "Alim" ISL Software Corporation USA)

اللہ تعالیٰ نے آقائے نامدار ﷺ سے سورۃ الضحیٰ کی آیت ۷ میں فرمایا

وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدَىٰ ﴿٧﴾

''اور ہم نے آپ (ﷺ) کو جستجوِ حقیقت میں پایا اس لئے حقیقت بتادی''

اس آیت مبارکہ کا ترجمہ اور تفسیر کرنے کے عام رواج کی ایک جھلک یہ ہے:

[ترجمہ مولانا محمد جوناگڑھی۔ تفسیر مولانا صلاح الدین یوسف۔ قرآنِ کریم شاہ فہد پرنٹنگ کمپلیکس۔ سعودی عرب]

''اور تجھے راہ بھولا پاکر ہدایت نہیں دی''۔ تفسیر: یعنی تجھے دین شریعت اور ایمان کا پتہ نہیں تھا، ہم نے تجھے راہ یاب کیا، نبوت سے نوازا اور کتاب نازل کی، ورنہ اس سے قبل تو ہدایت کیلئے سرگرداں تھا]

[مولانا احمد رضا خان بریلوی۔ کنزالایمان فی ترجمة القرآن]

''اور تمہیں اپنی محبت میں خود رفتہ پایا تو اپنی راہ دی''

[مولانا محمد علی۔ بیان القرآن] ''اور تجھے طالب پایا تو راستہ بتایا''

Yusuf Ali: And He found thee wandering and He gave thee guidance.

Pikthal: Did He not find thee wandering and direct (thee)?

F. Malik: Did He not find you lost and gave you guidance?

(Reference "Computer CD "Alim" ISL Software Corporation USA)

ان الفاظ ضَلٰلٍ، اَلضَّآلِّیْنَ، یَضِلُّ، ضَلَّ، ضَآلًّا کا مادہ ''ض ل ل'' ہے۔ یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کے قول میں یعقوب علیہ السلام کے متعلق کہے گئے لفظ ضَلٰلٍ کے معنی زمان کے مختلف ادوار کے مترجمین نے ''غلطی'' کئے ہیں۔ تفسیر القرطبی اور الجلالین نے اردو کے لفظ غلطی کے مترادف خطا کئے تھے۔ مترجمین اور مفسرین نے اَلضَّآلِّیْنَ، یَضِلُّ، ضَلَّ، ضَآلًّا کے معنی بنیادی طور پر وہی کئے جو مادہ ''ض ل ل'' کے عام طور پر بیان کئے جاتے ہیں یعنی ''گمراہ ہونا، بہکا، بھٹکا، راہ سے دور جا پڑا، گم ہونا، گمراہی''۔

کتاب کے حوالے سے تسلیم شدہ اصول ہے کہ اس کے بعض الفاظ اور اصطلاحات کے معنی اور مفہوم وہی لئے جائیں گے جو اس کتاب نے طے کئے ہیں اور اگر اس نے ان الفاظ کے معنی، مفہوم اور تعریف کو متعین نہیں کیا تو پھر اس کتاب میں بیان کردہ بات کو سمجھنے اور طے کرنے کیلئے مروجہ لغت کی طرف رجوع کیا جائے گا۔ اس سے قطع نظر کہ کسی بھی لفظ اور اصطلاح کے کوئی کیا معنی اور مفہوم لیتا ہے ان کی وہ تعریف غالب رہے گی جو اس کتاب نے متعین کی ہے۔ قرآنِ مجید بھی ''ذَالِكَ الْكِتَابُ'' ایک کتاب ہے اور اپنے الفاظ اور اصطلاحات کے معنی، مفہوم اور تعریف خود طے اور بیان کرتا ہے۔ یہ کتاب لاریب زمان و مکان کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہے بلکہ اس کے وجود پذیر ہونے سے قبل اور لپیٹ دیئے جانے کے بعد پیش آنے والے حقائق کو بھی واضح طور پر بیان کرتی ہے۔ لسان کے کسی ماہر کی ترتیب دی ہوئی لغت کے ذریعے انہیں سمجھنے میں مشکل، پیچیدگی اور اختلاف ہوتا اس لئے قرآنِ مجید اپنے الفاظ اور اصطلاحات کے معنی اور مفہوم، حدود، گہرائی اور وسعت کا تعین بھی خود کرتا چلا جاتا ہے۔ اپنی بات کو خارجی ذرائع کی صوابدید پر نہیں چھوڑتا۔ لغات القرآن کو قرآنِ مجید نے خود اپنے اندر ترتیب دے رکھا ہے۔ جس کتاب میں تمام امور کا فیصلہ کر دیا گیا ہو اس کی زبان کے الفاظ کے معنی اور مفہوم متعین اور بین ہونے اور ان میں ٹیڑھا پن نہ ہونے کی اہمیت کا اندازہ اس سے بھی ہوتا ہے کہ اگر شرارت اور خباثت سے بھی اپنی زبانوں کو ٹیڑھا کر کے کوئی ایسا لفظ اس انداز سے بھی ادا کر سکتا ہے کہ کہنے والے کے ذہن کے تصور کے بالکل الٹ تصور سننے والے کے ذہن میں ابھرے تو اللہ نے اس حرکت کو اس قدر ناپسندیدہ جانا کہ ایمان والوں کو بھی عربی زبان کے اس لفظ کے استعمال کرنے سے منع فرما دیا

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقُولُوا رَاعِنَا ''اے ایمان والو! تم 'راعنا' مت کہا کرو'' (حوالہ البقرۃ۔۱۰۴)۔ اور عام زندگی میں بات کو سیدھے سادے انداز میں کہنے کا حکم دیا (حوالہ الاحزاب۔۷۰) یعنی بات کو اس طرح بیان کرو کہ جو تصور تمہارے ذہن میں ہے وہی سننے والے کے ذہن میں قائم ہو۔ آئمہ لغت کا ادب اس بات میں مانع نہیں کہ ان کے بتائے ہوئے معانی اور مفہوم کی تصدیق کیلئے خود بھی قرآنِ مجید سے رہنمائی لے لی جائے کیونکہ قرآنِ مجید سمجھنے کیلئے یقیناً آسان ہے۔

فَإِنَّمَا يَسَّرْنَاهُ بِلِسَانِكَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ ﴿٥٨﴾ (الدخان۔۵۸)

''ہاں! یقیناً ہم نے اس (قرآنِ مجید) کو آپ (ﷺ) کی زبان میں آسان کر دیا ہے تا کہ وہ لوگ (محفوظ کر سکیں) نصیحت لیں''

تَذَكَّرُونَ کا مادہ ''ذ ک ر'' ہے۔ اور اس کے بنیادی معنی کسی چیز کو محفوظ کرنا، کسی بات کو دل میں محفوظ کر لینا ہیں۔ یہ 'ن س ی' کے مقابل آیا ہے جس کے معنی کسی بات کو بھلا دینا ہیں۔ اور قرآنِ مجید کے متعلق اس حقیقت کو من و عن ایک جیسے الفاظ میں پھر چار مرتبہ دہرایا:

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ ۝

''اور یقیناً ہم نے قرآن (مجید) کو سمجھنے اور نصیحت کے لئے آسان کر دیا ہے، اب ہے کوئی نصیحت لینے والا!'' (سورۃ القمر۔۱۷، ۲۲، ۳۲، ۴۰)

قرآنِ مجید میں یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کے والد کے متعلق کہے ہوئے الفاظ ضَلَـٰلٍ مُّبِينٍ کے معنی اور مفہوم دیکھتے ہیں إِذۡ قَالُواْ لَيُوسُفُ وَأَخُوهُ أَحَبُّ إِلَىٰٓ أَبِينَا مِنَّا وَنَحۡنُ عُصۡبَةٌ إِنَّ أَبَانَا لَفِى ضَلَـٰلٍ مُّبِينٍ ”جب انہوں نے (آپس میں) کہا ”یوسف اور اس کا بھائی ہمارے والد صاحب کو ہم سے زیادہ پیارے ہیں حالانکہ (تعداد میں) ہم ایک جمعیت ہیں بیشک ہماری جانب سے ہمارے والد بالکل غافل ہیں“۔ یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کی مکمل بات کو سننے کے بعد یہ ترجمہ کیا گیا ہے۔ جب تک کسی کی بات کو مکمل طور پر نہ سنا جائے بلکہ آدھی بات کو سن کر ہی نتیجہ اخذ کر لیا جائے تو ضروری نہیں کہ ہمارا اخذ کردہ نتیجہ کہنے والے کی بات کے مطابق ہو۔ ان کی بات کو مکمل سنیں ٱقۡتُلُواْ يُوسُفَ أَوِ ٱطۡرَحُوهُ أَرۡضًا ”یوسف کو قتل کر دو یا اسے دور دراز ملک نکال دو يَخۡلُ لَكُمۡ وَجۡهُ أَبِيكُمۡ تو تمہارے لئے ہو جائے گی تمہارے والد کی تمام توجہ۔

وَتَكُونُواْ مِنۢ بَعۡدِهِۦ قَوۡمًا صَـٰلِحِينَ ۝ اور اس کے بعد تم صالح لوگ ہو جاؤ“۔

یوسف علیہ السلام کے سوتیلے بھائیوں کے اپنے والد کے لئے استعمال کئے گئے الفاظ کے اردو اور انگریزی زبان کے مروجہ ترجمے سے قاری کے ذہن میں ان کے متعلق ایک منفی رائے ابھرتی ہے حالانکہ انہوں نے والد کو ضَلَـٰلٍ مُّبِينٍ میں سے نکالنے کا طریقہ بیان کر کے اس کے معنی اور مفہوم کو واضح کر دیا تھا۔ يَخۡلُ لَكُمۡ وَجۡهُ أَبِيكُمۡ ”تو تمہارے لئے ہو جائے گی تمہارے والد کی تمام توجہ“۔ جس چیز کو پانے کیلئے منصوبہ بندی (سازش) کر رہے تھے اس کی متضاد بات ضَلَـٰلٍ مُّبِينٍ کے معنی ہیں کہ ”ہماری جانب ان کی توجہ قطعی نہیں، ہم سے قطعی غافل ہیں“۔ ضَلَـٰلٍ مُّبِينٍ کے مروجہ ترجمے سے قصے کی ابتدا ہی میں قاری کے ذہن میں ان کے متعلق ایک منفی تاثر اور تعصب جگہ بنا لیتا ہے۔ ان کے متعلق منفی تاثر قائم کرنے سے قبل توجہ اس نکتے پر رہے کہ ان کی سوچ اپنے دو سوتیلے بھائیوں کے حصے کی وراثت ہتھیانا نہیں بلکہ باپ کی توجہ اور محبت پانا تھا۔ توجہ کی ضد، متضاد عدم توجہ، غفلت ہے۔ توجہ کی ضد گمراہی، صریح غلطی نہیں ہوتی۔ باپ کی عدم توجہ اور محبت کا فقدان، یا اولاد کے مابین محبتیں بانٹنے میں دکھائی دے جانے والا وسیع فرق اولاد کی نفسیات میں اس قدر ہیجان برپا کر سکتا ہے کہ اس سے محروم رہنے والی اولاد اسے پانے کیلئے باپ کی نگاہوں کے محور اپنے بھائی کو مٹانے کے درپے بھی ہو سکتی ہے۔ انسان میں محبت پانے کی خواہش اس قدر شدید ہے کہ نہ ملنے کی صورت میں بیگانہ اور پاگل ہونے کے علاوہ انسانی سطح سے گری ہوئی باغیانہ روش بھی اختیار کر سکتا ہے۔ برادران یوسف علیہ السلام جذبات سے مغلوب تھے اور سوچ سمجھ کر ایک غلط کام کرنے کا ارادہ اس نظریئے کے ساتھ بنا رہے تھے کہ اس کے بعد صالح لوگوں کی طرح رہیں گے۔

یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کی گفتگو سے ضَلَـٰلٍ مُّبِينٍ کے معنی ”غفلت، غافل“ غیر مبہم انداز میں واضح ہیں کہ اپنے

والد کی تمام توجہ کو اپنی جانب کرانا چاہتے تھے کیونکہ ان کے والد ان کی نسبت یوسف علیہ السلام اور اس کے ماں جائے بھائی سے زیادہ محبت (توجہ) کرتے تھے۔ سوال اٹھایا جاسکتا ہے کہ کیا ان کا ''غفلت، غافل'' کے معنی اور مفہوم میں ضَلَٰلٍ مُّبِينٍ استعمال کرنا صحیح بھی تھا کیونکہ ہم تو اس کا ترجمہ ''صریح غلطی، خطا'' کرتے ہیں؟ قرآنِ مجید لازوال تفسیر حقیقت ہے۔ واقعات بیان کرتا ہے تو اپنے الفاظ کے معنی اور مفہوم بھی واضح فرماتا ہے۔ اس سوال کا جواب قرآنِ مجید، الفرقان ہی سے پوچھیں گے لیکن اس سے قبل موسیٰ علیہ السلام کے فرعون کو دیئے ہوئے جواب کا موقع محل دیکھتے ہیں کیونکہ کسی بھی زبان کی کتاب کا قاری کی زبان میں ترجمہ اور مفہوم بیان کرتے ہوئے اگر اس کے الفاظ کا ترجمہ ان کے استعمال کے موقعہ محل کو نظرانداز کر کے انتہائی معنوں میں کر دیا جائے تو یہ اس کتاب اور قاری دونوں کے ساتھ انصاف نہیں۔ موسیٰ علیہ السلام ایک علم والے بندے سے جدا ہو کر جس رات شہر میں داخل ہوئے تھے تو آپس میں لڑتے جھگڑتے دو لڑکوں میں سے ایک کے پکارنے پر انہوں نے دوسرے لڑکے کو مکا مار دیا جس سے وہ موقعے ہی پر مر گیا تھا۔ موسیٰ علیہ السلام اگلی صبح مصر سے فرار ہو گئے تھے۔ اُس وقت وہ بھرپور جوان اور پورے مرد کی عمر کے تھے۔ اور پھر آٹھ سال سے زیادہ عرصے بعد فرائض رسالت تفویض کئے جانے پر اللہ تعالیٰ کے حکم پر فرعون کے پاس آئے تھے۔ موسیٰ علیہ السلام کو فرعون نے اس اتفاقی حادثہ کا حوالہ دیا تھا اور اس کا جواب دیتے ہوئے انہوں نے فرمایا تھا: قَالَ فَعَلْتُهَآ إِذًا وَأَنَا۠ مِنَ ٱلضَّآلِّينَ ﴿٢٠﴾ ''اس نے کہا'' وہ فعل میں نے اس وقت کیا تھا جس وقت ٱلضَّآلِّينَ میں تھا'' (سورۃ الشعراء۔۲۰)

موسیٰ علیہ السلام نے مرنے والے شخص کو کسی ہتھیار، ڈنڈے وغیرہ کی ضرب سے نہیں مارا تھا۔ بلکہ ایک شخص کی مدد مدد کی پکار پر اس آدمی کو مکا مارا تھا لیکن پھر بھی وہ مر گیا۔ تھپڑ اور مکا مارنے سے لوگ مرا نہیں کرتے اور نہ ہی اس انداز سے مارنے والوں پر کبھی ارادہ قتل کا الزام لگایا جاتا ہے۔ جائے وقوعہ پر یہ تسلیم شدہ بات ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے دانستہ اور ارادے کے زیرِ اثر اس شخص کو نہیں مارا تھا اور نہ ہی وہ اس جھگڑے کے فریق تھے کیونکہ اتفاقی طور پر اس وقت باہر سے شہر میں داخل ہوئے تھے۔ فرعون نے بھی ان پر کھلے بندوں قتل کا الزام نہیں لگایا بلکہ ان کے فعل کا حوالہ دیا جس سے ظاہر ہے کہ اس نے کہا تھا کہ چاہے اتفاق ہی تھا لیکن مرا تو تمہارے گھونسے ہی سے تھا۔ موسیٰ علیہ السلام نے اس فعل کو تسلیم کرتے ہوئے واضح کیا کہ فَعَلْتُهَآ إِذًا وَأَنَا۠ مِنَ ٱلضَّآلِّينَ ۝ جس وقت وہ فعل مجھ سے سرزد ہوا اس وقت میری کیفیت ٱلضَّآلِّينَ تھی۔ موسیٰ علیہ السلام نے اس خاص لمحے کے حوالے سے اپنی کیفیت بیان فرمائی تھی اور وقوعہ کی نوعیت کو مدنظر رکھتے ہوئے اس لفظ کے بیان کردہ معنی ''میں راہ بھولے لوگوں میں سے تھا''، ''مجھے راہ کی خبر نہ تھی'' ''میں ناواقفوں میں تھا'' کیا ایک ایسے انسان پر منطبق ہوتے ہیں جس کے مکہ مارنے یا دھکا دینے سے کوئی شخص اتفاقی طور پر مر جائے؟ آپ بتائیں کہ مکا مارنے سے کسی شخص کے اتفاقی طور پر مرنے کے حادثہ کا کسی بھی منطق سے علیمت، ہدایت یا گمراہی، راہ بھولنے، ناواقفیت سے کوئی تعلق بنتا ہے؟

موسیٰ علیہ السلام کے اس قول کا مروجہ ترجمہ ماضی کی تقلید ہے کیونکہ بعض قدیم تفسیروں (حوالہ تفسیر ابن کثیر،تفسیر القرطبی) میں مِنَ ٱلضَّآلِّينَ کا ترجمہ اور تفسیر ''من الجاهلين'' بتایا گیا تھا اور اس 'الجاهلين' کے فارسی/اردو/انگریزی میں مروجہ معنی ''جہالت، لاعلمی، کم علمی'' ہیں۔ کیا موسیٰ علیہ السلام کے ان الفاظ مِنَ ٱلضَّآلِّينَ کے معنی ''من الجاهلين'' گمان کئے جاسکتے ہیں؟ کیا ہمیں یاد نہیں کہ مکا مارنے سے ایک لڑکے کے مرنے والا واقعہ کب پیش آیا تھا؟ یہ اس کے بعد پیش آیا تھا

وَلَمَّا بَلَغَ أَشُدَّهُۥ وَٱسْتَوَىٰٓ ءَاتَيْنَـٰهُ حُكْمًا وَعِلْمًا ۚ

''اور جب وہ اپنی بھرپور جوانی کو پہنچا اور پورا آدمی بن گیا تو ہم نے اسے قوت فیصلہ اور علم دیا'' (حوالہ القصص۔۱۴)

وَدَخَلَ ٱلْمَدِينَةَ عَلَىٰ حِينِ غَفْلَةٍ مِّنْ أَهْلِهَا

''اور شہر میں داخل ہوا تھا اس گھڑی جب شہر کے رہنے والوں سے غافل تھا'' (حوالہ القصص۔۱۵)

اللہ تعالیٰ کی جانب سے جس بندے کو قوت فیصلہ اور علم عطا ہوا ہو اس علم کے بعد بھی کیا وہ اپنے آپ کو ''من الجاهلين'' کہہ سکتا تھا؟ اس سوال کا جواب ہمیں دینا چاہئے کیونکہ معلومات حاصل ہونے کے بعد تعقل کی ابتدا ہوتی ہے۔

موسیٰ علیہ السلام کو اس علم والے بندے نے ایک لڑکے کو قتل کرنے کا سبب بتاتے ہوئے اس فعل کی وجوہات اور مقصد بتایا تھا اور انہیں اللہ کے ارادے کا نتیجہ کہا تھا۔ اور واپس مصر میں داخل ہوتے ہی موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھوں بھی ایک شخص قتل ہو گیا تھا۔ موسیٰ علیہ السلام کو پلک جھپکنے میں واضح ہو گیا تھا وہ فرق جو مطلق ہستی اللہ رب العزت اور انسان کی ہستی کا ہے۔ مطلق ہستی کا ہر فعل سوچے سمجھے ارادے کا نتیجہ ہوتا ہے اور مقصد کے تابع ہوتا ہے لیکن انسان سے بلا ارادہ و مقصد افعال کے سرزد ہونے کا امکان ہے۔ اور اس کے بالمقابل شیطان کا ہر عمل عقل و شعور کے تقاضوں کے منافی ہوتا ہے۔ اسی لے جو وقوعہ پیش آ چکا تھا اور اس کے پیش آنے کی وجہ اور انداز کے متعلق موسیٰ علیہ السلام نے فوراً فرمایا تھا کہ ''یہ شیطان کے عمل میں سے ہے''۔ جبر و قدر کے لغو فلسفہ کی نفی کرتے ہوئے موسیٰ علیہ السلام نے قَالَ رَبِّ إِنِّى ظَلَمْتُ نَفْسِى فَٱغْفِرْ لِى فرمایا تھا ''میرے رب! میں نے اپنے اوپر ظلم کیا ہے، مجھے بخش دے''۔ موسیٰ علیہ السلام کسی نکتے پر سوچ بچار میں محو ہونے کے بناء پر شہر میں اس کیفیت میں داخل ہوئے تھے کہ وہاں کے لوگوں سے حالت غفلت میں تھے۔ اس حالت غفلت میں کیئے گئے اپنے نادانستہ، بلاارادہ فعل کی بھی ذمہ داری قبول کی اور اللہ رب العزت سے معافی کے طلبگار ہوئے۔ اور اہل ثروت کے مفکرین اپنے دانستہ، سوچے سمجھے ارادہ اور مفاد کے تحت کیئے ہوئے اعمال کو جبر و قدر کے اختراع کیئے فلسفہ کی نذر کر دیتے ہیں۔

ٱلضَّآلِّينَ کے معنی کی ابتدا انسان سے اس حالت میں بلا ارادہ کوئی غیر مناسب فعل سرزد ہو جانا ہے جب کسی دوسرے خیال میں محو، مگن، ڈوبا ہوا ہو اور کوئی شخص اچانک اسے متوجہ کر لے۔ آقائے نامدار رسولِ کریم ﷺ کے فرمان کو یاد کریں۔ ''تم دو دو یا تنہا کھڑے ہو جاؤ اور پھر تفکر کرو''۔ اللہ تعالیٰ اور قرآنِ مجید میں رسولوں کے فرمودات پر جب بھی دھیان سے توجہ کریں گے تو ایک نیا موتی ملے گا۔ آقائے نامدار ﷺ نے یہ نہیں فرمایا کہ راہ چلتے تفکر کرو۔ تفکر انسان کو اردگرد سے منقطع کر دیتا ہے اور کوئی ایسی صورتحال پیش آ سکتی ہے جیسی موسیٰ علیہ السلام کو پیش آ گئی تھی۔ یہ نکتہ سورۃ المزمل میں بھی واضح کیا ہے کہ انتہائی غور و فکر اور انہماک کی حالت میں انسان کے پاس یہ قدرت نہیں ہے کہ اپنے اردگرد کی بعض دوسری باتوں کا احساس رکھ سکے۔ سورۃ مبارکہ کی پہلی پانچ آیات میں قیام کے دورانیہ کے متعلق حکم دیا گیا تھا کہ آدھی رات یا اس میں سے کچھ کم یا زیادہ کر لیا جائے لیکن اسی سورۃ کی آیت ۲۰ سے واضح ہے کہ آقائے نامدار ﷺ اور ان کے ساتھیوں میں سے قیام کرنے والے گروہ سے وقت کے دورانیہ پر گرفت نہیں ہو سکی تھی۔ انہوں نے کسی رات دو تہائی رات کسی رات آدھی رات کیلئے اور کسی رات ایک تہائی رات قیام کیا۔ یوں اللہ تعالیٰ نے ظاہر فرما دیا کہ حالت قیام میں قرآنِ مجید کی حسن تناسب اور پورے انہماک سے تلاوت کرتے ہوئے وقت کا اندازہ رکھنا بھی انسان کیلئے ایک مشکل کام ہے کہ قیام کے دوران اس بات کا احاطہ نہ کر سکے کہ رات کے کتنے پہر بیت گئے۔ انسان کے ذہن کی اس محدودیت کو واضح فرمایا گیا کہ یہ ایک وقت پر دو مختلف باتوں پر توجہ مرکوز کر کے ان دونوں کا مکمل احاطہ نہیں کر سکتا۔ آقائے نامدار ﷺ اور ان کے ساتھیوں کی وقت کے اندازے پر گرفت نہ رہنے کا بتا کر اس نکتے کو واضح فرمایا کہ ان کی تمام تر توجہ اور تفکر کا محور قرآنِ مجید کی آیات مبارکہ تھیں جنہیں آقائے نامدار ﷺ تلاوت فرماتے تھے۔

یوسف علیہ السلام کے واجب الاحترام بھائیوں کے قول اور پھر موسیٰ علیہ السلام کے قول سے ان الفاظ ضَلَـٰلِ اور ٱلضَّآلِّينَ کا تعلق عدم علمیت کی بجائے عدم توجہ اور غفلت سے ظاہر ہوا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام سے فرعون نے اپنے سرداروں کی موجودگی میں پوچھا تھا

قَالَ فَمَا بَالُ ٱلْقُرُونِ ٱلْأُولَىٰ ﴿٥١﴾

''اس (فرعون) نے کہا'' اور اگلی نسلوں کا کیا حال ہے؟'' (طٰہٰ۔۵۱)

قَالَ عِلْمُهَا عِندَ رَبِّى فِى كِتَـٰبٍ

انہوں نے کہا'' ان کا علم میرے رب کے پاس کتاب میں ہے''

اپنے رب کے متعلق مزید بتایا لَّا يَضِلُّ رَبِّى وَلَا يَنسَى ۝ موسیٰ علیہ السلام کے اس قول میں عربی زبان کے مادہ ''ض ل ل'' ہی سے بنا ایک لفظ يَضِلُّ استعمال ہوا ہے۔ اور اس کا ترجمہ بھی ضَلَـٰلِ اور ٱلضَّآلِّينَ کی طرح ''میرا رب نہ غلطی کرتا ہے''،

''میرا رب نہ بہکے'' کیا جاتا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام کو ہمارا سلام پہنچے انہوں نے لَّا يَضِلُّ رَبِّى پہلے کہا تھا اور اس کے بعد فرمایا تھا وَلَا يَنسَى ۝ ''اور نہ ہی وہ بھولتا ہے''۔ اب ہم خود غور کریں کہ اگر موسیٰ علیہ السلام کے نزدیک يَضِلُّ کے وہی معنی ہوتے جو عام طور پر ہم اختیار کرتے ہیں تو کیا ان کے قول میں ان دو باتوں کی ترتیب یوں ہو سکتی تھی کہ ''میرا رب نہ غلطی کرتا ہے اور نہ ہی وہ بھولتا ہے''؟ اگر يَضِلُّ کے ہمارے اختیار کردہ معنی تصور کئے جائیں تو پھر الفاظ کی ترتیب اس کے الٹ ہونا چاہئے کیونکہ ''غلطی'' کا نتیجہ ''بھول'' نہیں ہوتی بلکہ بھول کے بعد ''غلطی'' کا امکان پیدا ہوتا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کے پچھلی نسلوں کے متعلق پوچھے گئے سوال کے جواب میں اسے یہ حقیقت بتائی تھی ''ان کا علم میرے رب کے پاس کتاب میں ہے'' اور رب العزت کی صفات یوں بتائی تھیں لَّا يَضِلُّ رَبِّى وَلَا يَنسَى ۝ ''میرا رب نہ غافل ہوتا ہے اور نہ ہی بھولتا ہے'' (طٰہٰ۔۵۱)۔ کائنات کا نظام چلانے اور اس کی مسلسل حفاظت کیلئے تمام امور کا پیچھا کرنا پڑتا ہے اور ایسا صرف وہ کر سکتا ہے جو ہر طرح کی کمزوری سے منزہ اور پاک ہو۔ فرمایا لَا تَأْخُذُهُۥ سِنَةٌ وَلَا نَوْمٌ ''اس کے نزدیک نہ اونگھ آتی ہے نہ نیند (کہ کسی بھی لمحے کائنات اور تم سے غافل ہو)'' (حوالہ البقرۃ ۲۵۵)۔ ہماری اونگھ اور نیند کا نتیجہ دنیا و مافیہا سے غافل ہونے کی صورت ہی میں نکلتا ہے۔

کیا انسان (يَضِلُّ) غافل ہوئے بغیر (فَنَسِىَ) پھر کسی بات کو بھول سکتا ہے؟ اللہ رب العزت نے بتایا:

وَلَقَدْ عَهِدْنَآ إِلَىٰٓ ءَادَمَ مِن قَبْلُ فَنَسِىَ وَلَمْ نَجِدْ لَهُۥ عَزْمًا ﴿١١٥﴾

''اور ہم نے آدم کو بھی عہد دیا تھا۔ (پابند کیا تھا) پھر وہ بھول گئے اور ہم نے اس میں اس کیلئے ارادہ موجود نہیں پایا'' (طٰہٰ۔۱۱۵)

فَنَسِىَ کا مادہ ''ن س ی'' ہے اور اس کے اصلی معنی ترک کر دینے اور چھوڑ دینے کے ہیں۔ جناب راغب نے کہا ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے پاس رکھی ہوئی چیز کی حفاظت کرنا چھوڑ دے اسے بھی نسیان کہتے ہیں یعنی حفاظت کرنا چھوڑ دینا۔ کسی شئے کی حفاظت کرنے کو ترک کر دینا ارادے کا نتیجہ ہوتا ہے لیکن اس کی حفاظت سے انسان بلا ارادہ بھی غافل ہو سکتا ہے اور وہ نسیان بھول کہلاتا ہے۔ آدم علیہ السلام کے فَنَسِىَ کی وضاحت بھی کر دی گئی کہ یہ بھول بلا ارادہ تھی۔ سوچ سمجھ کر اور دانستہ عہد کو پس پشت ڈال کر انہوں نے پھل کو نہیں چکھا تھا۔ فَنَسِىَ ''پھر وہ بھول گیا''۔ لیکن بغیر ارادے کیوں بھول گئے؟ اگر آدم علیہ السلام کے بھولنے کی وجہ سمجھ آ جائے تو دنیا میں بنی آدم کے بغیر ارادے کے بھولنے کی وجہ خود بخود سمجھ آ جائے گی۔ آدم علیہ السلام، ان کی زوجہ اور بنی آدم کے دشمن ابلیس نے کہا تھا

وَلَأُضِلَّنَّهُمْ وَلَأُمَنِّيَنَّهُمْ ''اور میں انہیں غافل کروں گا، میں انہیں آرزوؤں، امیدوں میں الجھاؤں گا'' (حوالہ النساء۔۱۱۹)

ابلیس کی اس بات وَلَأُضِلَّنَّهُمْ وَلَأُمَنِّيَنَّهُمْ سے بھی واضح ہے کہ انسان سے غافل ہوئے بغیر بھول نہیں ہوسکتی۔ اور بھولنے کے بعد اُس بات کے متضاد فعل اس سے جبھی سرزد ہوسکتا ہے اگر اس کی غفلت کو کسی آرزو، امید، تمنا کے پُرفریب لبادے سے مستحکم کر دیا جائے۔ بھولنا غفلت کا نتیجہ ہے۔ غفلت کی ابتدا کیا ہے؟ یہ کس کا نتیجہ ہے؟ فَوَسْوَسَ لَهُمَا ٱلشَّيْطَٰنُ ''پھر دونوں کے دل میں شیطان نے وسوسہ ڈالا، فَوَسْوَسَ إِلَيْهِ ٱلشَّيْطَٰنُ ''پھر شیطان نے اس کے دل میں وسوسہ ڈالا'' (حوالہ الاعراف۔۲۰، طٰہٰ۔۱۲۰) ٱلْوَسْوَاسِ کا مادہ ''وس وس'' ہے اور معنی ہلکی سی آہٹ، شکاری کی آہٹ، دبے پاؤں چلنے سے پیدا ہونے والی خفیف سی آہٹ ہیں۔ دل میں مختلف خیال گزرنے کو بھی کہتے ہیں نیز ہر غیر واضح کلام کو بھی جس میں مختلف آوازیں مل گئی ہوں۔ وسوسہ انسان کو ڈگمگا دیتا ہے۔ الجھاؤ (confusion) کا شکار کر دیتا ہے۔ دل کی دھڑکن کو بھی بے ربط کر دیتا ہے۔

بات، عہد، پابندی کا بھول جانا غفلت کا نتیجہ ہے۔ لیکن اس بھولی ہوئی بات، عہد کے متضاد فعل آرزو، امید، تمنا کے زیر اثر سرزد ہوگا اور اگر آرزو، امید، تمنا، خواہش جگائی اور ابھاری نہ جائے تو غفلت زائل ہو جائے گی اور اصل بات کی یاد عود کر آئے گی۔ اور غافل کیا جانا ٱلْوَسْوَاسِ کا نتیجہ ہے۔ وسوسے، تخیل کی کامیابی کس کی مرہون منت ہے؟

قَالَ مَا نَهَىٰكُمَا رَبُّكُمَا عَنْ هَٰذِهِ ٱلشَّجَرَةِ کہنے لگا ''تم دونوں کے رب نے تم دونوں کو اس درخت سے نہیں روکا ہے إِلَّآ أَن تَكُونَا مَلَكَيْنِ سوائے اس لئے کہ تم (کبھی کمزور نہ ہونے والے) حکمران نہ بن جاؤ

أَوْ تَكُونَا مِنَ ٱلْخَٰلِدِينَ ۝ یا ہمیشہ رہنے والوں میں نہ ہو جاؤ'' (حوالہ سورۃ الاعراف۔۲۰)۔ ابلیس نے بات کو یوں بھی بتایا

فَوَسْوَسَ إِلَيْهِ ٱلشَّيْطَٰنُ قَالَ يَٰٓـَٔادَمُ هَلْ أَدُلُّكَ عَلَىٰ شَجَرَةِ ٱلْخُلْدِ وَمُلْكٍ لَّا يَبْلَىٰ ۝١٢٠

''پھر شیطان نے اس پر وسوسہ ڈالنے کیلئے کہا ''اے آدم! کیا میں تجھے ہمیشگی (دلانے) کے درخت

اور اس بادشاہت کا پتہ دوں جسے زوال نہیں'' (طٰہٰ۔۱۲۰)

ٱلْوَسْوَاسِ اس کلام کو کہتے ہیں جس میں مختلف آوازیں شامل ہونے سے کلام غیر واضح ہو جائے۔ آدم علیہ السلام اور ان کی زوجہ کے علم میں اتنی بات تھی کہ درخت سے منع کیا گیا ہے۔ ابلیس نے اُس ایک بات میں ایسی نئی باتیں شامل کر دیں جن کی نوعیت سماعتوں اور قلوب کیلئے اتنی خوش کن تھی کہ آرزو اور تمنا بن جائے۔ آدم علیہ السلام اور ان کی زوجہ کو ابلیس اصل بات سے غافل کر چکا تھا۔ لیکن کہیں وہ اس کے فریب کے جال میں قدم رکھنے سے رک نہ جائیں ابلیس نے یوں کیا

وَقَاسَمَهُمَآ إِنِّى لَكُمَا لَمِنَ ٱلنَّـٰصِحِينَ ﴿٢١﴾ 'اور اس نے قسم کھا کر کہا کہ ''میں تمہارے خیر خواہوں میں سے ہوں'
(الاعراف۔۲۱) فَأَزَلَّهُمَا ٱلشَّيْطَـٰنُ عَنْهَا ''اس طرح شیطان (ابلیس) انہیں اس سے پھسلانے میں کامیاب ہو گیا''
(حوالہ البقرۃ۔۳۶) فَدَلَّىٰهُمَا بِغُرُورٍ ''اور یوں اس نے ان دونوں کو فریب سے گرالیا'' (حوالہ الاعراف۲۲)۔قرآنِ مجید کی باتوں سے ہٹ کر ادھر اُدھر کی باتیں بتانے والوں کی نیک نیتی پر اندھا بھروسہ کرنا ایسے ہی ہو گا جیسے آدم علیہ السلام ابلیس کی خیر خواہ ہونے کی قسم کو سن کر اللہ تعالیٰ کی بتائی ہوئی بات کو بھول کر بلا ارادہ پھسل گئے تھے۔آقائے نامدار ﷺ ہمیں بتا رہے ہیں ''اے لوگو! تمہارے رب کی طرف سے ٱلْحَقُّ (قرآنِ مجید) آچکا ہے''۔اس لئے تنبیہ فرمائی وَمَن ضَلَّ فَإِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ''اور جو غافل ہوا تو وہ اپنے خلاف ہی بھٹکے گا وَمَآ أَنَا۠ عَلَيْكُم بِوَكِيلٍ ٥ اور میں تمہارا کوئی وکیل (ذمہ دار، نگران) نہیں ہوں'' (حوالہ یونس۔۱۰۸)۔

انسان غافل نہ ہو تو پھسلتا نہیں

فَإِن زَلَلْتُم مِّنۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْكُمُ ٱلْبَيِّنَـٰتُ

''پھر اگر تم پھسل، لغزش کھا گئے، ہٹ گئے اس کے بعد کہ تمہارے پاس واضح اور کھلے دلائل آچکے ہیں

فَٱعْلَمُوٓا۟ أَنَّ ٱللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ٥

تو جان لو کہ اللہ غالب اور حکمت والا ہے'' (البقرۃ۔۲۰۹)

انسان غافل نہ ہو تو راستے پر پڑے کیلے کے چھلکے پر پاؤں رکھنے کے باوجود نہیں پھسلتا پھر کتاب سے کیونکر پھسل سکتا ہے؟ کتاب کلام اللہ ہے، اللہ تعالیٰ کی بتائی ہوئی باتیں ہیں۔جنت میں رہائش کے دنوں کا تجربہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بتائی ہوئی بات میں کوئی دوسرا دوسری باتوں کو شامل کر کے سماعتوں کو سنائے تو اللہ تعالیٰ کی بتائی ہوئی بات سے انسان غافل ہوتا ہے۔اور اگر یہ تخیلاتی باتیں اپنے اندر امید، آرزو، خواہش ابھارنے کا پہلو رکھتی ہوں تو اللہ تعالیٰ کی بتائی ہوئی بات کو بھول کر ان نئی باتوں کو اپنے ذہن اور یادداشت میں جگہ دے دیگا اور اس پر عمل کر کے پھسل جائے گا۔انسان سے سرزد ہونے والا ہر عمل اس کی یادداشتوں کا مرہونِ منت ہے۔اور انسان سے دانستہ سرزد ہونے والا ہر نیا فعل اس کے سینے، شکم یا زیرِ ناف ابھرنے والی کسی آرزو، تمنا، خواہش، بھوک کا نتیجہ ہوتا ہے۔آدم علیہ السلام اور ان کی زوجہ کو نئی اور سماعتوں کیلئے دل آویز باتیں ابلیس نے بتائی تھیں۔اللہ تعالیٰ کی باتوں سے غافل کرنے اور انہیں بھلوانے میں کامیابی کا بس یہی ایک آزمودہ طریقہ ہے۔شیطان لوگوں کو اس بات کی ترغیب دیتا ہے:

وَأَن تَقُولُوا۟ عَلَى ٱللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ٥ ''اور یہ کہ اللہ کی نسبت سے وہ بات کہیں جس کا انہیں علم نہیں''

اس سے قبل کہ کوئی گمان کرے کہ ضَلَٰلٍ، ٱلضَّآلِّينَ، يَضِلُّ کے معنی اور مفہوم ''غافل، غفلت' ' فلسفیانہ انداز کی بحث کے ذریعے کئے گئے ہیں یہ وضاحت کر دینا ضروری ہے کہ کتابوں میں صفات اور افعال کو بیان کرنے والے الفاظ اس صفت اور فعل کی ابتدا، وسط اور منتہا کے حوالے سے استعمال ہوتے ہیں۔ صفت اور فعل کی وسعت اور گہرائی ہوتی ہے اسلئے اس صفت اور فعل کو بیان کرنے والے لفظ کے معنی اور مفہوم وہ صورتحال متعین کرے گی جس میں وہ استعمال کیا گیا ہے وگرنہ اس لفظ کا انتہائی اور متشدد ترجمہ قاری کو کتاب میں بیان کردہ اصل صورتحال کا ادراک نہیں ہونے دے گا۔ ضَلَٰلٍ مُّبِينٍ' ضَلَٰلًا بَعِيدًا ' ضَلَٰلٍ بَعِيدٍ' ضَلَٰلٍ كَبِيرٍ سے واضح ہے کہ ''ض ل ل'' معمولی، کمتر نوعیت کا بھی ہوسکتا ہے اور بعید اور کبیر بھی لیکن اردو زبان کا لفظ ''گمراہی، بھٹکا ہوا، گم کردہ راہ'' ایک مخصوص تصور (perception) کا حامل ہے جو مختلف صورتوں میں عربی کے لفظ ٱلضَّآلِّينَ کے تصور کے منافی ہے جس کی وجہ سے کتاب میں بیان کردہ اصل حقیقت کے برعکس خیال قاری کے ذہن میں اجاگر ہوتا ہے۔ قرآنِ مجید نے اپنے الفاظ کے معنی کی حدود، ابتدا اور منتہا، وسعت اور گہرائی متعین کی ہوئی ہے اس لئے عجمی زبانوں میں ترجمہ ومفہوم بیان کرتے ہوئے اس نکتے پر توجہ مرکوز رکھنے کی انتہائی اہمیت ہے وگرنہ جو کچھ ہم کہہ رہے ہوں گے وہ کتاب کی بات نہیں بلکہ ہمارا اپنا خیال ہوگا۔

یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کی اپنے والد کی اپنی جانب عدم توجہ اور غفلت کیلئے ضَلَٰلٍ مُّبِينٍ کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ سوال اٹھایا جاسکتا ہے کہ کیا ان کا ''غفلت، غافل'' کے معنی اور مفہوم میں ضَلَٰلٍ مُّبِينٍ استعمال کرنا صحیح بھی تھا کیونکہ ہم تو اس کا ترجمہ 'صریح غلطی، خطا' کرتے ہیں؟ قرآنِ مجید لازوال تفسیر حقیقت ہے۔ واقعات بیان کرتا ہے تو اپنے الفاظ کے معنی اور مفہوم بھی واضح فرماتا ہے۔ اس سوال کا جواب قرآنِ مجید، الفرقان ہی سے پوچھتے ہیں۔ قرآن مجید میں ضَلَٰلٍ مُّبِينٍ پہلی مرتبہ سورۃ آلِ عمران کی آیت ۱۶۴ میں آیا ہے۔ بتایا گیا ''اللہ نے مومنوں پر احسان کیا جب اس نے ان کے درمیان انہی میں سے رسول (کریم ﷺ کو) بھیجا جو انہیں اس کی آیتیں سناتے ہیں۔ انہیں آلائشوں سے پاک کرتے ہیں۔ انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دیتے ہیں

وَإِن كَانُوا۟ مِن قَبْلُ لَفِى ضَلَٰلٍ مُّبِينٍ ۝

اور اس سے قبل وہ ضَلَٰلٍ مُّبِينٍ میں تھے''

اسی بات کو سورۃ الجمعة کی آیت ۲ میں یوں بتایا ہے ''اللہ وہ ہے جس نے امیین میں انہی (امیین) میں سے رسول (کریم ﷺ) کو مبعوث فرمایا جو انہیں اس کی آیتیں سناتے ہیں۔ انہیں آلائشوں سے پاک کرتے ہیں۔ انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دیتے ہیں۔

وَإِن كَانُواْ مِن قَبۡلُ لَفِى ضَلَـٰلٍ مُّبِينٍ ○

اور اس سے قبل وہ ضَلَـٰلٍ مُّبِينٍ میں تھے''

اللہ تعالیٰ نے جن لوگوں کے متعلق من وعن ایک جیسے الفاظ میں دو بار فرمایا کہ آقائے نامدار ﷺ کے قرآنِ مجید کی آیات سنانے اور کتاب وحکمت کی تعلیم دینے سے قبل ضَلَـٰلٍ مُّبِينٍ میں تھے انہی کے متعلق آقائے نامدار ﷺ سے فرمایا

تَنزِيلَ ٱلۡعَزِيزِ ٱلرَّحِيمِ ۝٥ لِتُنذِرَ قَوۡمًا مَّآ أُنذِرَ ءَابَآؤُهُمۡ فَهُمۡ غَـٰفِلُونَ ۝٦

''یہ (قرآنِ مجید) غالب اور رحم کرنے والے کا نازل کیا ہوا ہے تاکہ

آپ (ﷺ) اس قوم کو خبردار کریں جن کے باپ دادا کو خبردار نہیں کیا گیا اس لئے وہ غافل ہیں'' (یٰس۔۵۔۶)

غَـٰفِلُونَ کا مادہ ''غ ف ل'' ہے۔اس کے بنیادی معنی ڈھانپ دینا، چھپا دینا، پردہ ڈال دینا، غافل ہونا، غفلت ہیں۔اس کا مطلب کسی چیز کے متعلق یا کسی کی طرف سے لاپرواہ (Un-mindful) ہو جانا ہے۔ اس لئے اَلۡغَفُوۡلُ اس اونٹنی کو کہتے ہیں کہ جو بچہ چاہے اس کا دودھ پی جائے اور جو آدمی چاہے اس کا دودھ دوہ کر لے جائے اور وہ اس کا کچھ خیال نہ کرے۔قرآنِ مجید میں یہ لفظ بے خبری اور ناواقفیت کے لئے بھی آیا ہے جس میں مذمت کا کوئی پہلو نہیں ہوتا (حوالہ سورۃ یوسف۔۳)۔غَافِل غَفَلَ سے اسم فاعل ہے۔

قرآنِ مجید لازوال تفسیر حقیقت ہے۔یہ اپنے الفاظ اور اصطلاحات کے معنی اور مفہوم کے متعلق اپنے قاری کیلئے کسی قسم کے ابہام اور تشنگی کا امکان نہیں رہنے دیتا۔قرآنِ مجید سنائے جانے سے قبل جن کی حالت و کیفیت بتائی کہ اس سے قبل ضَلَـٰلٍ مُّبِينٍ یعنی غفلت میں تھے قرآنِ مجید کے نزول کے متعلق بتاتے ہوئے ان ہی لوگوں سے فرمایا:

أَن تَقُولُوٓاْ إِنَّمَآ أُنزِلَ ٱلۡكِتَـٰبُ عَلَىٰ طَآئِفَتَيۡنِ مِن قَبۡلِنَا

''یہ اس لئے کہ تم یہ نہ کہو کہ ''کتاب تو نازل کی گئی تھی ہمارے سے قبل دو گروہوں (بنی اسرائیل اور نصاریٰ) پر

وَإِن كُنَّا عَن دِرَاسَتِهِمۡ لَغَـٰفِلِينَ ○

اور ہم ان لوگوں کے پڑھنے پڑھانے سے بے خبر، غافل تھے'' (الانعام۔۱۵۶)

اللہ رب العزت کی یہ عادت نہیں کہ لوگوں کو ان کی غفلت سے بیدار کئے بغیر ہلاک کردے۔اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں کو بھیجا تاکہ لوگوں

کو اللہ تعالیٰ کی آیات سنائیں اور انہیں روزِ قیامت کے متعلق خبردار کریں۔ لِتُنذِرَ ''تاکہ خبردار کریں''، خبردار کرنے کے معنی اور مفہوم یہ ہے کہ لوگوں کو حالت غفلت سے بیدار کیا جائے۔ خبردار کرنے کا یہی مفہوم سورۃ الانعام کی آیت ۱۳۱ سے واضح ہے
ذَٰلِكَ أَن لَّمْ يَكُن رَّبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرَىٰ بِظُلْمٍ وَأَهْلُهَا غَافِلُونَ ﴿١٣١﴾ ''یہ (رسولوں کا بھیجنا) اس لئے تھا کہ تیرا رب بستیوں کو ظلم سے ہلاک نہیں کرتا جب وہاں کے رہنے والے بے خبر، غافل ہوں'' (الانعام۔۱۳۱)

انسان کے پاس کون سی صلاحیت ہے جس کی بناء پر خبردار محتاط ہوتا ہے اور اس صلاحیت کے عدم استعمال سے غافل، غیر محتاط، حالتِ غفلت میں ہوتا ہے؟ فَجَعَلْنَاهُ سَمِيعًا بَصِيرًا ''اس لئے ہم نے انسان کو سننے اور دیکھنے والا بنایا ہے'' (حوالہ الانسان ۲)۔ سماعتیں اور بصارتیں علم، معلومات حاصل کرنے اور خبردار، باخبر ہونے کا ذریعہ ہیں۔ اور ان معلومات پر عقل و فکر سے انسان نتائج مستنبط کرتا ہے۔ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ وَالْأَفْئِدَةَ ''اور تمہارے لئے سماعت، بصارت اور (سوچنے سمجھنے کیلئے) دل و دماغ بنائے'' (حوالہ النحل۔۷۸، السجدہ۔۹، الملک۔۲۳)۔ اللہ تعالیٰ نے بعض لوگوں کے متعلق بتایا ہے
أُولَٰئِكَ هُمُ الْغَافِلُونَ ۝ ''یہ لوگ ہیں جو غافل ہیں''۔ یہ کون لوگ ہیں جنہیں غافل قرار دیا گیا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے بتایا یہ وہ لوگ ہیں لَهُمْ قُلُوبٌ لَّا يَفْقَهُونَ بِهَا ''ان کے دل ہیں مگر ان سے سوچتے، غور و فکر نہیں کرتے۔
وَلَهُمْ أَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُونَ بِهَا ''اور ان کی آنکھیں ہیں مگر ان سے دیکھتے نہیں''۔
وَلَهُمْ آذَانٌ لَّا يَسْمَعُونَ بِهَا ''اور ان کے کان ہیں مگر ان سے سنتے نہیں''۔ اللہ تعالیٰ نے ان ہی لوگوں کے متعلق بتایا
أُولَٰئِكَ كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ ''یہ لوگ ایسے ہیں جیسے چوپائے،، نہیں! یہ زیادہ غافل، بے خبر ہیں'' (الاعراف ۱۷۹)
لفظ أَضَلُّ کا مادہ بھی ''ض ل ل'' ہے اس لئے اس جملے کا ترجمہ کرنے کا یہ رواج ہے ''یہ لوگ چوپایوں کی طرح ہیں بلکہ یہ ان سے بھی زیادہ گمراہ ہیں'' [ترجمہ مولانا محمد جوناگڑھی۔ قرآن کریم شاہ فہد پرنٹنگ کمپلیکس۔ سعودی عرب] ''وہ چوپایوں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بڑھ کر گمراہ'' [مولانا احمد رضا خان بریلوی۔ کنزالایمان فی ترجمۃ القرآن]

"They are like cattle, **nay more misguided**" Yusuf Ali

گمراہ وہ ہے جو راہ حق سے انحراف کرے۔ گمراہ وہ ہے جو صراط مستقیم کی بجائے دوسری راہوں کو دانستہ اختیار کرے۔ گمراہ وہ ہے جو ہدایت کے منافی، متضاد روش اپنائے۔ کیا آپ چوپایوں کو گمراہ تصور کر سکتے ہیں؟

أُوْلَـٰٓئِكَ كَٱلۡأَنۡعَـٰمِ بَلۡ هُمۡ أَضَلُّۚ ''یہ لوگ ایسے ہیں جیسے چوپائے، نہیں! وہ زیادہ غافل، بے خبر ہیں''۔

مروجہ ترجمے ''گمراہ'' کی بجائے أَضَلُّ کا ترجمہ میں نے ''غافل، بے خبر'' نہیں کیا۔ یہ ترجمہ قرآنِ مجید نے خود بتایا ہے کہ انہی لوگوں کے متعلق قرار دیا أُوْلَـٰٓئِكَ هُمُ ٱلۡغَـٰفِلُونَ ''یہی لوگ غافل ہیں''۔ أَضَلُّ کی ابتدا غفلت، عدم توجہ ہے۔ چوپائے غافل ہوتے ہیں لیکن درندے ہر پل چوکنا ہوتے ہیں اس لئے قرآنِ مجید میں انسانوں کی غفلت کے رویئے کو بیان کرنے کیلئے چوپایوں جیسا کہا گیا جانور، درندں جیسا نہیں کہا۔ دَآبَّةٍ یعنی جانوروں کی تقسیم (classification) کرتے ہوئے ''الانعام'' یعنی چارہ کھانے والوں کو دوسروں سے ممیز کیا گیا ہے وَمِنَ ٱلنَّاسِ وَٱلدَّوَآبِّ وَٱلۡأَنۡعَـٰمِ مُخۡتَلِفٌ أَلۡوَٰنُهُۥ كَذَٰلِكَۗ ''اور انسانوں، جانوروں اور چارہ خور جانوروں میں بھی اسی طرح مختلف رنگ ہیں'' (حوالہ فاطر۔۲۸)۔ دَآبَّةٍ یعنی جانوروں میں ٱلۡأَنۡعَـٰمِ وہ ہیں جو نَبَاتُ ٱلۡأَرۡضِ مِمَّا يَأۡكُلُ ٱلنَّاسُ وَٱلۡأَنۡعَـٰمُ 'زمین کا سبزہ جسے انسان اور چوپائے کھاتے ہیں' (حوالہ سورۃ یونس۔۲۴)۔ سورۃ طٰہٰ کی آیت ۵۳ میں بتایا کہ زمین میں مختلف النوع کی نباتات پیدا کی ہیں اور آیت ۵۴ کی ابتدا میں فرمایا كُلُواْ وَٱرۡعَوۡاْ أَنۡعَـٰمَكُمۡۗ ''کھاؤ اور اپنے مویشیوں کو چراؤ''۔

کیا آپ نے اس سوال کا جواب دیا تھا کہ چوپایوں کو گمراہ تصور کر سکتے ہیں؟ ہم مویشیوں کو ''گمراہ'' تصور نہیں کر سکتے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے وَلِلَّهِ يَسۡجُدُ مَا فِي ٱلسَّمَـٰوَٰتِ وَمَا فِي ٱلۡأَرۡضِ مِن دَآبَّةٍ ''اور اللہ ہی کو سجدہ کرتے ہیں آسمانوں اور زمین میں جو جانور بھی ہیں'' (حوالہ النحل۔۴۹)۔ چوپائے دَآبَّةٍ ہی میں سے ہیں۔ (یہ آیت مبارکہ آیت سجدہ ہے)۔

علم اور عقل وفہم کی کسوٹی پر پرکھے بغیر آباؤ اجداد کے طور طریقوں، روایتوں اور ڈگر کی تقلید انسان کو راہ راست سے بہت دور لے جا سکتی ہے۔ یہ پرستش ہے۔ یہ عقل وفکر کے اردگرد بنایا گیا ایسا حصار ہے جو سماعت اور عقل کا باہمی تعلق معطل کر دیتا ہے

أَمۡ تَحۡسَبُ أَنَّ أَكۡثَرَهُمۡ يَسۡمَعُونَ أَوۡ يَعۡقِلُونَۚ

''کیا آپ (ﷺ) خیال کرتے ہیں کہ ان میں سے اکثر سنتے یا عقل استعمال کرتے ہیں؟

إِنۡ هُمۡ إِلَّا كَٱلۡأَنۡعَـٰمِۖ

وہ تو محض چوپایوں کی مانند ہیں'' (حوالہ الفرقان۔۴۴)

اس پر غور کریں کہ ایسے انسانوں کو چوپایوں کی بجائے درندوں کی مانند کیوں نہیں کہا؟ اس لئے کہ درندے سماعتوں میں آنے والی ہر نئی آواز پر چوکنا اور خبردار ہو جاتے ہیں اور اس وقت تک مطمئن نہیں ہوتے جب تک اس آواز کی حقیقت کو سمجھ نہ لیں۔

عقل وفکر کے اردگرد بنائے گئے حصار میں قید اور جکڑے رہنے کی بناء پر سماعتوں سے فیض نہ لینے والوں کی مثال چوپایوں جیسی ہے جو اردگرد کے ماحول سے غافل بیٹھے جگالی کرتے رہتے ہیں۔ یہ نازل کردہ کتاب کی طرف بلائے جانے پر آباؤ اجداد کی ڈگر کو جواز بناتے ہیں۔ان کی مثال بتائی

وَمَثَلُ ٱلَّذِينَ كَفَرُواْ كَمَثَلِ ٱلَّذِى يَنۡعِقُ بِمَا لَا يَسۡمَعُ إِلَّا دُعَآءً وَنِدَآءً‌ۚ

''اور جولوگ (اللہ کی کتاب کو ماننے، پیروی سے) انکار کرتے ہیں ان کی مثال ان جیسی ہے جو (چرواہے کے بلانے پر) بھیڑ بکریوں کے ریوڑ کی طرح بلانے پر سماعتوں سے ٹکرانے والی پکار اور اونچی آواز کے کچھ نہیں سنتے۔

صُمُّۢ بُكۡمٌ عُمۡىٌ فَهُمۡ لَا يَعۡقِلُونَ ٥

وہ بہرے، گونگے اور اندھے ہیں سو (نتیجہ یہ ہے کہ) وہ عقل استعمال نہیں کرتے'' (البقرۃ-۱۷۱)۔

بات سماعت سے عقل تک نہ پہنچے تو محض اونچی آواز ہے جس میں الفاظ بھی نہ ہوں اور انجام سماعت کے پردے پر ارتعاش کے علاوہ کچھ نہیں۔اس لئے ایسے لوگوں کو چوپایوں کی مانند کہہ کر فرمایا بَلۡ هُمۡ أَضَلُّ سَبِيلًا ٥ ''نہیں! حقیقت یہ ہے کہ ان سے زیادہ راہ سے أَضَلُّ غافل ہیں'' (حوالہ الفرقان-۴۴) کیوں؟ يَنۡعِقُ نے وجہ بیان کردی ہے يَنۡعِقُ (مادہ ''ن ع ق'') کے معنی بھیڑ بکریوں کو ھانکنے کے لئے چرواہے کا جھڑکنا اور آوازیں دینا ہیں (تاج، محیط و ابن فارس)۔ چرواہے کی یہ آواز بھی محض پکار ہوتی ہے، جس میں وہ الفاظ استعمال نہیں کرتا۔لیکن یہ بھیڑ بکریاں چرواہے کی آواز پر نقل و حرکت کرتی ہوئی راستے کو پا ہی لیتی ہیں۔چاہے باپ دادا نہ کچھ سمجھتے اور جانتے ہوں اور نہ ہی راہ راست پر چلتے ہوں ان کی اندھی تقلید کرنے والوں کی مماثلت ان بھیڑ بکریوں سے کی گئی ہے جو چرواہے کی آواز پر نقل و حرکت کرتی ہیں۔ مہذب معاشرہ بھی بلا جھجک ایسے شخص کو ضدی اور ہٹ دھرم قرار دیتا ہے جو بلا سوچے سمجھے باپ دادا کی روایات کی تقلید پر بضد اور علم وعقل کی بات پر غور وفکر کیلئے رضامند ہی نہ ہو۔ راست اور کج کا فیصلہ صرف اور صرف کتاب پر موقوف ہے۔ کسی بھی بات اور طریقے کی پیروی کو آباؤ اجداد سے منسوب کرنا اس طریقے کے صحیح ہونے کی سند نہیں بن جاتی اور نہ ہی اس روش پر کاربند رہنے کیلئے اسے جواز اور دلیل بنایا جا سکتا ہے۔ محض قدیم ہونے کی بناء پر کسی بھی بات اور شئے کو تقدیس کی چادر نہیں اوڑھائی جا سکتی اور اگر اوڑھا دی جائے تو لوگوں کے عقل وفہم کے گرد یہ ایک حصار بنا دے گی۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے

وَيَجۡعَلُ ٱلرِّجۡسَ عَلَى ٱلَّذِينَ لَا يَعۡقِلُونَ ٥

''جولوگ عقل وفکر سے کام نہیں لیتے اللہ ان پر رجس ڈال دیتا ہے'' (حوالہ یونس-۱۰۰)

ٱلرِّجۡسَ کا مادہ ''رج س'' اور اس کے بنیادی معنی اختلاط اور التباس ہیں۔گندگی، غلاظت کو بھی رجس اس لئے کہتے ہیں کہ لتھڑ اور چپک جاتی ہے۔ پلیدی، شک، اضطراب، التباس، دل کی تنگی، تعصب، تنگ نگہی، ضد، ہٹ دھرمی، عقل وفکر سے کام نہ لینا۔

اللہ تعالیٰ کا آقائے نامدار ﷺ کے متعلق النجم کی آیت ۲ میں فرمان ہے مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوَىٰ ﴿٢﴾ اور اس آیت مبارکہ کا مروجہ ترجمہ ہم نے یوں پڑھا تھا ''کہ تمہارے ساتھی نے نہ راہ گم کی ہے نہ وہ ٹیڑھی راہ پر ہے''، ''تمہارے صاحب نہ بہکے نہ بے راہ چلے''۔''تمہارا ساتھی گمراہ نہیں ہوا اور نہ بہکا ہے''۔اس ترجمے سے واضح ہے کہ اس آیت مبارکہ میں بھی ضَلَّ کے معنی ''گمراہی'' ہی لئے گئے ہیں۔ آئیں ایک مرتبہ سورۃ النجم کی پہلی اٹھارہ آیات مبارکہ کی رَتِّلِ الْقُرْءَانَ تَرْتِيلًا کے انداز میں تلاوت کریں تا کہ ہماری تمام تر توجہ ان ہی میں رہے اور کتاب اور ہمارے ذہن کے درمیان خارج از کتاب بات حائل نہ ہو۔

الحمد لله۔ہم نے سنا کہ ان آیات مبارکہ میں تو آقائے نامدار ﷺ کی مبارک نگاہوں اور بصارتوں نے جو دیکھا تھا اس کا ذکر ہے۔اور آقائے نامدار ﷺ نے جو دیکھا وہ ہماری عقل وفکر اور ادراک سے ماوراء بات ہے۔آقائے نامدار ﷺ کی مبارک بصارتوں نے جو کچھ دیکھا وہ ان ہی کی بصارتوں کے شایان شان تھا اور انسان کا علم محدود ہے اس لئے ضروری نہیں کہ ان باتوں کا احاطہ کر سکے۔ گفتگو آسمانوں کے ابواب کے اُس پار نشانیاں دیکھنے کی ہو رہی ہے اس لئے ہم ذرا سوچیں کہ گمراہی اور ٹیڑھی راہوں کا تذکرہ کہاں سے بیچ میں آ سکتا ہے؟ ارشاد فرمایا

وَٱلنَّجْمِ إِذَا هَوَىٰ ﴿١﴾ مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوَىٰ ﴿٢﴾ وَمَا يَنطِقُ عَنِ ٱلْهَوَىٰٓ ﴿٣﴾ إِنْ هُوَ إِلَّا
وَحْيٌ يُوحَىٰ ﴿٤﴾ عَلَّمَهُۥ شَدِيدُ ٱلْقُوَىٰ ﴿٥﴾ ذُو مِرَّةٍ فَٱسْتَوَىٰ ﴿٦﴾ وَهُوَ بِٱلْأُفُقِ ٱلْأَعْلَىٰ ﴿٧﴾
ثُمَّ دَنَا فَتَدَلَّىٰ ﴿٨﴾ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ أَوْ أَدْنَىٰ ﴿٩﴾ فَأَوْحَىٰٓ إِلَىٰ عَبْدِهِۦ مَآ أَوْحَىٰ ﴿١٠﴾

''اور قسم ہے ستارے کی جب وہ بکھرتا ہے۔تمہارے آقا نہ تو غافل تھے اور نہ غلط سمجھا ہے۔ اور نہ وہ اپنی خواہش سے باتیں کرتے ہیں۔کہ یہ صرف وحی ہے جو (رسولِ کریم ﷺ پر) کی جاتی ہے۔بڑی قوت والے نے انہیں بتایا ہے صاحب اختیار نے۔اس لئے وہ سیدھے ہوئے۔اور وہ اونچے، اوپر افق پر تھے۔بعدازاں وہ قریب ہوئے اور جا پہنچے، پھر وہ دو کمان پر تھے یا اس سے بھی قریب۔اور پھر اس نے اپنے بندے کو وحی کی جو بھی کی'' (النجم ۔۱۔۱۰)

کچھ اندازہ ہے کہ آیات مبارکہ کی باتیں کائنات کے کس مقام کی ہیں؟ بات کی ابتدا اس قسم سے ہے

وَٱلنَّجْمِ إِذَا هَوَىٰ ﴿١﴾

''اور قسم ہے ستارے کی جب وہ بکھرتا ہے''

هَوَىٰ کا مادہ ''ھ و ی'' ہے اور معنی اوپر سے نیچے گرنا۔چیز جو اوپر سے نیچے کی طرف گری۔ابن فارس نے اس مادہ کے بنیادی معنی خالی ہونا اور نیچے گرنا بتائے ہیں۔ أَوْ تَهْوِي بِهِ ٱلرِّيحُ فِى مَكَانٍ سَحِيقٍ ''یا اسے ہوا اڑا کر کسی دور دراز جگہ میں

پھینک دے'' (حوالہ سورۃ الحج۔۳۱)۔اس میں نیچے گرانا اور دور پھینکنا دونوں آ جاتے ہیں۔ستارے آسمان دنیا کی شئے نہیں ہیں۔ ستاروں میں دھماکے ہوتے رہتے ہیں اور ان کا مواد فضا میں گرتا اور بکھرتا رہتا ہے۔یہ ماہرین فلکیات کی دلچسپی کا موضوع ہے۔ہم نے تو ایک اندازہ لگانا ہے کہ آیات مبارکہ میں گفتگو کن رفعتوں کے مقام کے متعلق ہے۔ ہمارے قریب ترین جوستارہ (Proxima Centauri) ہے وہ زمین سے بیس ٹریلین میل کے فاصلے پر ہے۔سورج کی روشنی ہم تک آٹھ منٹوں میں پہنچتی ہے لیکن جو ستارے ہم سے زیادہ دور ہیں ان کی روشنی ہم تک پہنچنے میں اربوں سال بیت جاتے ہیں۔ ہمارے آقا، آقائے نامدار ﷺ ان بلندیوں پر بھی غافل نہ تھے۔ ہمارے رب نے ہمارے آقا، آقائے نامدار ﷺ کو اَلْمُزَّمِّلُ اور اَلْمُدَّثِّرُ کے خطاب یونہی تو نہیں عطا فرما دیئے۔ اَلْمُزَّمِّلُ کا مادہ ''ز م ل'' ہے جس کے ایک معنی بہت زیادہ احتیاط برتنے والے شخص کے ہیں۔ اور اَلْمُدَّثِّرُ کا مادہ ''د ث ر'' اور معنی کپڑے، چادر میں لپٹ جانا ہیں۔ چادر کو لپیٹنے میں بھی احتیاط ہی کا پہلو ہے۔انسان نیند میں اپنے جسم سے غافل ہو جاتا ہے اور اس کے بعض اعضاء من مانی کر سکتے ہیں۔ چادر میں لپٹے ہوئے انسان کے جسم کی ''عفت'' حالت نیند کی غفلت میں بھی دوسروں سے پنہاں اور محفوظ رہتی ہے۔میرے آقا، آقائے نامدار پر درود وسلام ہے ہر لحظہ صبح وشام۔

آقائے نامدار ﷺ کے متعلق بتایا وَهُوَ بِالْأُفُقِ الْأَعْلَىٰ ﴿٧﴾ ''اور وہ افق اعلیٰ (اونچا، اوپر والا) پر تھے''۔ اس کے بعد کیا ہوا؟ ثُمَّ دَنَا فَتَدَلَّىٰ ﴿٨﴾ ''ثُمَّ قریب ہوئے اس لئے جا پہنچے''۔ آیات مبارکہ میں یہ واحد مقام ہے جہاں افق اعلیٰ پر موجودگی اور پھر قریب ہونے والی بات کے درمیان حرف ثُمَّ آیا ہے۔واقعات کے مابین حرف ثُمَّ اس وقت استعمال ہوتا ہے جب قبل اور بعد والے واقعہ کی نوعیت ایک دوسرے سے مختلف ہو اور حرف ثُمَّ سے دونوں باتوں کے مابین وقت کے فاصلے کی نشاندہی بھی ہوتی ہے۔(اگر ضرورت محسوس کریں تو حرف ثُمَّ کے متعلق جلد اول میں کئے گئے مطالعہ کو ایک نظر دیکھ لیں)۔

فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ أَوْ أَدْنَىٰ ﴿٩﴾ ''پھر وہ دو کمان پر تھے یا اس سے بھی قریب۔

فَأَوْحَىٰ إِلَىٰ عَبْدِهِ مَا أَوْحَىٰ ﴿١٠﴾ اور پھر اس نے (عَبْدِهِ) اپنے بندے پر وحی کی جو بھی کی''

مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَأَىٰ ﴿١١﴾ ''قلب وذہن نے اسے غلط نہیں جانا جو انہوں نے دیکھا''۔

ان گیارہ آیات مبارکہ میں آقائے نامدار ﷺ کے ذکر کے علاوہ کسی دوسرے کے متعلق بات نہیں کی گئی۔ابتدا یہ تھی

مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوَىٰ ﴿٢﴾

''تمہارے آقا نہ تو غافل تھے اور نہ انہوں نے غلط سمجھا ہے''

اور پھر غافل نہ ہونے کی بناء پر جسے غلط نہیں سمجھا تھا بتانے کے بعد ایک بار پھر اس بات کی تصدیق فرمائی

مَا كَذَبَ ٱلْفُؤَادُ مَا رَأَىٰٓ ﴿١١﴾

''قلب و ذہن نے اسے غلط نہیں جانا جو انہوں نے دیکھا''

اللہ رب العزت کے اس بیان اور شہادت کو پڑھنے کے بعد بھی کیا ذہن کے دریچے ہم اس قدر بند کر سکتے ہیں کہ آقائے نامدار ﷺ کو جسمانی طور پر ہوش و حواس میں افق اعلیٰ اور پھر اس سے بھی اوپر کی منزلوں پر نہ سمجھ سکیں؟ قلب و ذہن حالت نیند میں فیصلے نہیں کرتا، قلب و ذہن کے فیصلے ہوش و حواس میں ہوتے ہیں۔

آقائے نامدار ﷺ کے اس سفر کے ذکر میں سورۃ النجم کی ان گیارہ آیات کے الفاظ کے صیغے ماضی کے ہیں۔ دَنَا، كَذَبَ، رَأَىٰ یہ ماضی کے صیغے واحد مذکر غائب ہیں۔ ان آیات میں جبرائیل علیہ السلام کا ذکر نہیں ہے کیونکہ ان میں تذکرہ افق اعلیٰ اور اس سے اوپر کے مقام کا ہے۔ جبرائیل علیہ السلام کا ذکر یوں فرمایا أَفَتُمَٰرُونَهُۥ عَلَىٰ مَا يَرَىٰ ﴿١٢﴾ ''کیا تم ان سے اس پر بحث کرتے ہو جسے وہ دیکھتے ہیں؟'' آقائے نامدار ﷺ کے ماضی میں افق اعلیٰ اور اس سے اوپر کے مشاہدات و واقعات کے متعلق بتانے کے بعد اب گفتگو حال کی ہو رہی ہے۔ اب صیغے مضارع کے ہیں اور بات معمول کی ہے۔ آقائے نامدار ﷺ کیلئے جس کا دیکھنا حال میں معمول کی بات ہے اس کے متعلق ماضی کی یہ بات بتائی:

وَلَقَدْ رَءَاهُ نَزْلَةً أُخْرَىٰ ﴿١٣﴾ عِندَ سِدْرَةِ ٱلْمُنتَهَىٰ ﴿١٤﴾ عِندَهَا جَنَّةُ ٱلْمَأْوَىٰٓ ﴿١٥﴾ إِذْ يَغْشَى ٱلسِّدْرَةَ مَا يَغْشَىٰ ﴿١٦﴾ مَا زَاغَ ٱلْبَصَرُ وَمَا طَغَىٰ ﴿١٧﴾ لَقَدْ رَأَىٰ مِنْ ءَايَٰتِ رَبِّهِ ٱلْكُبْرَىٰٓ ﴿١٨﴾

''اور انہوں نے اس سے قبل سدرۃ المنتہیٰ سے اسے اترتے دیکھا تھا۔ جس (سدرۃ المنتہیٰ) کے پاس پناہ دینے والی جنت ہے۔ جب اس السدرۃ پر چھا رہا تھا جو اس پر چھایا۔ بصارت غیر متوازن ہوئی نہ حد سے نکلی۔
بیشک انہوں نے اپنے رب کی بڑی بڑی نشانیوں کو دیکھا ہوا ہے''

آقائے نامدار ﷺ کے پاس زمین پر جبرائیل علیہ السلام وحی لے کر آتے تھے۔ جبرائیل علیہ السلام سے یہودیوں کو شدید پرخاش ہے قُلْ مَن كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيلَ فَإِنَّهُۥ نَزَّلَهُۥ عَلَىٰ قَلْبِكَ بِإِذْنِ ٱللَّهِ ''آپ (ﷺ) بتا دیں ''جو کوئی جبرائیل سے دشمنی اس لئے رکھتا ہے کہ اللہ کے اذن سے اس نے (قرآنِ مجید) آپ (ﷺ) کے قلب (مبارک) پر وقتاً فوقتاً نازل کیا ہے'' (حوالہ البقرۃ۔۹۷) اور پھر آیت ۹۸ کے آخر میں بتایا کہ پھر اللہ تعالیٰ بھی ایسے کافروں کا دشمن ہے۔ اور ان یہودیوں ہی کے متعلق بتایا ''اور انہوں نے اللہ کی قدر نہیں پہچانی جیسی قدر پہچانا اس کا حق ہے جب انہوں نے کہا کہ اللہ نے کسی بشر پر کوئی شئے نازل

نہیں کی۔آپ (ﷺ) پوچھیں ''وہ کتاب کس نے اتاری تھی جو موسیٰ (علیہ السلام) لوگوں کیلئے نور اور ہدایت کے طور پر لائے تھے جسے تم ورق ورق کر کے ظاہر کرتے ہو اور زیادہ کو چھپا جاتے ہو اور تمہیں وہ سکھایا گیا تھا جو تم اور تمہارے باپ دادا نہیں جانتے تھے''۔ کہہ ''اللہ نے''۔ پھر آپ انہیں ان کی بحث میں کھیلنے کیلئے چھوڑ دیں''۔ (حوالہ الانعام۔۹۱)

لوگوں سے سوال پوچھا گیا أَفَتُمَـٰرُونَهُۥ عَلَىٰ مَا يَرَىٰ ﴿١٢﴾ ''کیا تم انؐ سے اس پر بحث کرتے ہو جسے وہ دیکھتے ہیں؟ اور لوگوں کو بتایا کہ آقائے نامدار ﷺ کے جس کو زمین پر دیکھنے کے متعلق تم معترض ہوتے ہو انہیں تو انہوں نے اس وقت بھی دیکھا تھا جب وہ خود افق اعلیٰ پر تھے وَلَقَدْ رَءَاهُ نَزْلَةً أُخْرَىٰ ﴿١٣﴾ عِندَ سِدْرَةِ ٱلْمُنتَهَىٰ ﴿١٤﴾۔ عربی زبان کا حرف ''قَدْ'' ماضی کو ماضی قریب بنا دیتا ہے اور فعل ماضی کے ساتھ تحقیق کیلئے آتا ہے۔ حرف ''قَدْ'' پر حرف ''ل'' بڑھانے سے ''لَقَد'' تاکید مزید بڑھ جاتی ہے یعنی زیادہ یقین سے کہا جاتا ہے۔ ''نَزْلَةً'' مصدر ہے ''ایک مرتبہ اترنا''۔ اور ''عِندَ'' ظرف ہے بمعنی پاس، قریب، نزدیک سے۔ آیت ۷۔۸ میں بتایا کہ

ثُمَّ دَنَا فَتَدَلَّىٰ ﴿٨﴾ ''بعدازاں وہ قریب ہوئے اس لئے جا پہنچے''۔ لیکن اس سے قبل

وَهُوَ بِٱلْأُفُقِ ٱلْأَعْلَىٰ ﴿٧﴾ ''اور وہ افقِ اعلیٰ پر تھے''۔ اور انہوں نے جبرائیل علیہ السلام کو کہاں دیکھا تھا؟

وَلَقَدْ رَءَاهُ نَزْلَةً أُخْرَىٰ ﴿١٣﴾ 'اور انہوں نے اسے (سدرۃ المنتهیٰ سے) اترتے دیکھا تھا''۔ کہاں دیکھا تھا؟ اس کی نشاندہی یوں فرمائی وَلَقَدْ رَءَاهُ بِٱلْأُفُقِ ٱلْمُبِينِ ﴿٢٣﴾ ''اور انہوں نے اس سے قبل انہیں افق مبین پر دیکھا تھا'' (التکویر۔۲۳)۔ آقائے نامدار ﷺ افق اعلیٰ پر تھے اور انہوں نے جبرائیل علیہ السلام کو افق مبین پر دیکھا تھا۔ **اَلْمُبِین** کا مادہ 'ب ی ن' ہے۔ ابن فارس نے اس کے بنیادی معنی الگ الگ کرنا [عربی لفظ ''فَصْل''] لکھے ہیں۔ ''اَلْبِیْنُ'' دو زمینوں کے درمیان فاصلہ یا حد کو کہتے ہیں۔ قرآنِ مجید نے اس مادہ کے معنی الگ کرنا، حد فاصل قائم کرنا بتائے ہیں قَد تَّبَيَّنَ ٱلرُّشْدُ مِنَ ٱلْغَيِّ ''راست روی کو کج روی سے الگ کر دیا گیا ہے'' (حوالہ البقرۃ۔۲۵۶)

آقائے نامدار ﷺ افق اعلیٰ پر تھے اور انہوں نے جبرائیل علیہ السلام کو افق مبین پر دیکھا تھا۔ ہر کسی کی اپنی اپنی المنتهیٰ (مادہ 'ن ھ ی') یعنی آخری حد، انتہا ہے۔ ابن فارس نے اسکے بنیادی معنی یہی لکھے ہیں یعنی انتہا تک پہنچ جانا۔ انتہا تک پہنچ کر ہر بات رک جاتی ہے۔ اس لئے اس کے معنی رک جانے کے آتے ہیں۔ جبرائیل علیہ السلام سدرۃ المنتهیٰ'' افق مبین پر رک گئے اور

آقائے نامدار ﷺ نے انہیں نَزْلَةً اترتے دیکھا اور افق اعلیٰ سے اگلی منزل کا بتانے کے درمیان حرف 'ثُمَّ' سے واضح ہے کہ جبرائیل علیہ السلام کے افق مبین پر رک جانے اور نیچے اترنے کے بعد آقائے نامدار ﷺ اگلی منزل کی جانب تشریف لے گئے تھے
ثُمَّ دَنَا فَتَدَلَّىٰ ﴿٨﴾ ''ثُمَّ قریب ہوئے اس لئے جا پہنچے''۔

آقائے نامدار ﷺ کے معراج کے سفر کو پڑھتے ہوئے کچھ اندازہ ہے کہ ہم اس وقت کن بلندیوں میں گھوم رہے ہیں؟ آقائے نامدار ﷺ نے جبرائیل علیہ السلام کو واپس اترتے دیکھا تھا عِندَ سِدْرَةِ ٱلْمُنتَهَىٰ ﴿١٤﴾ ''سدرۃ المنتھیٰ کے قریب سے عِندَهَا جَنَّةُ ٱلْمَأْوَىٰٓ ﴿١٥﴾ جس (سدرۃ المنتھی) کے قریب پناہ دینے والی جنت ہے''

سدرۃ المنتھیٰ جس کے قریب جنت ہے وہ کہاں ہو سکتا ہے؟

إِنَّ ٱلَّذِينَ كَذَّبُوا۟ بِـَٔايَـٰتِنَا وَٱسْتَكْبَرُوا۟ عَنْهَا لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ أَبْوَٰبُ ٱلسَّمَآءِ

''جو لوگ ہماری آیتوں کو جھٹلاتے ہیں اور ان سے سرکشی کرتے ہیں ان کیلئے آسمان کے دروازے نہیں کھولے جائیں گے

وَلَا يَدْخُلُونَ ٱلْجَنَّةَ حَتَّىٰ يَلِجَ ٱلْجَمَلُ فِى سَمِّ ٱلْخِيَاطِ

اور ان کا جنت میں داخل ہونا اتنا ہی ناممکن ہے جتنا کشتی کے موٹے رسے کا سوئی کے ناکے میں داخل ہونا (یا اونٹ کا سوئی کے ناکے میں سے گزرنا)'' (حوالہ الاعراف۔۴۰)

دروازے کسی مقام سے نکلنے اور کسی مقام میں داخل ہونے کیلئے ہوتے ہیں۔

يَوْمَ يُنفَخُ فِى ٱلصُّورِ فَتَأْتُونَ أَفْوَاجًا ﴿١٨﴾ ''جس دن صور پھونکا جائے گا تو تم گروہ گروہ بن کر چلے آؤ گے

وَفُتِحَتِ ٱلسَّمَآءُ فَكَانَتْ أَبْوَٰبًا ﴿١٩﴾ اور آسمان کو کھولا جائے گا کہ اس میں دروازے ہوں گے'' (النباء۱۸۔۱۹)

آسمان کے ابواب کے اُس پار جنت میں داخلے کا حق، امکان اِن کا ہے أُعِدَّتْ لِلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ بِٱللَّهِ وَرُسُلِهِۦ

''جنت ان کیلئے بنائی گئی ہے جو اللہ اور رسولوں پر ایمان لائے'' (حوالہ الحدید۔۲۱)

آقائے نامدار ﷺ افق اعلیٰ سے آگے قربتوں کے مقام کے انتہائی نزدیک پہنچ گئے۔ اللہ نے ہم سے فرمایا

يَـٰمَعۡشَرَ ٱلۡجِنِّ وَٱلۡإِنسِ إِنِ ٱسۡتَطَعۡتُمۡ أَن تَنفُذُواْ مِنۡ أَقۡطَارِ ٱلسَّمَـٰوَٰتِ وَٱلۡأَرۡضِ فَٱنفُذُواْۚ

''اے جن وانس کے گروہ! اگر تم آسمانوں اور زمین کے اطراف وجوانب سے نکل سکتے ہو تو (جاؤ شوق سے) نکل جاؤ''۔

کیا نکل سکتے ہیں؟ ہاں! لیکن یہ مشروط ہے۔ اور ظاہر سے بھی زیادہ ظاہر یہ ءَايَةٍ ہے۔ بتایا

لَا تَنفُذُونَ إِلَّا بِسُلۡطَـٰنٍ ۝

''تم نکل نہیں سکتے سوائے 'سلطان' کے ساتھ'' (سورۃ الرحمٰن۔۳۳)

''سلطان'' کے معنی اور مفہوم جاننے کیلئے کیا ہمیں لغت چھاننے کی ضرورت ہے؟ ''سلطان'' تو وہی ہو سکتے ہیں جو آسمانوں اور زمین کے اطراف وجوانب سے نکل چکے ہیں۔ علم دنیا سے آگے جبھی لے جائے گا اگر تفکر کیا جائے۔ یہ حقیقتِ شئے تک لے جائے گا۔ یہ مقصد تک پہنچا دے گا۔ میرے آقا، آقائے نامدار، رحمت للعالمین رسولِ کریم ﷺ نے انسان کو یہی ایک نصیحت فرمائی ہے

قُلۡ إِنَّمَآ أَعِظُكُم بِوَٲحِدَةٍۖ أَن تَقُومُواْ لِلَّهِ مَثۡنَىٰ وَفُرَٲدَىٰ ثُمَّ تَتَفَكَّرُواْۚ

''آپ (ﷺ) فرمائیں'' میں تم لوگوں کو صرف ایک نصیحت کرتا ہوں کہ تم اللہ کیلئے دو دو اور انفرادی طور پر کھڑے ہو جاؤ اور پھر سوچو، غور وفکر، تفکر کرو'' (حوالہ سورۃ سباء۔۴۶)

تفکر کی ابتدا وہاں سے ہوتی ہے جہاں بعض ''فلسفیوں'' اور لارڈ برٹرینڈ رسل کا ذہن اور تخیل کا سفر ختم ہوتا ہے کہ ان جیسے بعض لوگوں کو علم کی یہ معراج بتانے والا آسیب زدہ دکھائی دیتا ہے۔ مَا بِصَاحِبِكُم مِّن جِنَّةٍۚ ''(خبردار) تمہارے آقا کو سودا نہیں ہے'' (حوالہ سورۃ سباء۔۴۶)۔ یہ نصیحت انہوں نے فرمائی ہے جن سے اللہ تعالیٰ نے مَقَامًا مَّحۡمُودًا ۝ کا وعدہ فرمایا (حوالہ الاسراء۔۷۹) اور اللہ تعالیٰ کے وعدے کا مفہوم یہ ہے کہ جیسے وہ پورا ہو چکا کیونکہ كَانَ وَعۡدُهُۥ مَفۡعُولًا ۝ ''اس کا وعدہ تو پورا ہو کر رہتا ہے'' اور آقائے نامدار ﷺ سے فرمایا کہ اپنے رب سے اب یہ مانگ لو

وَقُل رَّبِّ أَدۡخِلۡنِى مُدۡخَلَ صِدۡقٍ وَأَخۡرِجۡنِى مُخۡرَجَ صِدۡقٍ

''اور آپ (ﷺ) مانگیں'' میرے رب! مجھے عمدہ طریقے پر داخل کر اور مجھے عمدہ طریقے سے نکال لے جا

وَٱجۡعَل لِّى مِن لَّدُنكَ سُلۡطَـٰنًا نَّصِيرًا ۝

اور مجھے اپنی جناب سے مدد دینے والا اختیار دے (میرے لئے مقرر فرما مدد دینے کا اختیار [سلطان])''۔ (الاسراء۔۸۰)

آقائے نامدار ﷺ سے فرمایا کہ عام معافی کا اعلان فرما دیں اور لوگوں کو ان شرائط سے آگاہ کر دیں جن کو ماننے سے ان کے

سابقہ تمام گناہ معاف کردیئے جائیں گے۔

قُلْ يَـٰعِبَادِىَ ٱلَّذِينَ أَسْرَفُوا۟ عَلَىٰٓ أَنفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوا۟ مِن رَّحْمَةِ ٱللَّهِ

آپ (ﷺ اعلان) فرمائیں ''اے میرے وہ بندو جنہوں نے اپنے اوپر زیادتی کی ہے! اللہ کی رحمت سے نا امید نہ ہوں،

إِنَّ ٱللَّهَ يَغْفِرُ ٱلذُّنُوبَ جَمِيعًا ۚ إِنَّهُۥ هُوَ ٱلْغَفُورُ ٱلرَّحِيمُ ۝

اللہ سب کے سب گناہ بخش دیتا ہے۔ وہی بخشنے والا، بہت رحم کرنے والا ہے''۔

اور آقائے نامدار ﷺ نے تمام گناہوں کو بخشوانے کا طریقہ لوگوں کو یوں بتایا:

وَأَنِيبُوٓا۟ إِلَىٰ رَبِّكُمْ وَأَسْلِمُوا۟ لَهُۥ مِن قَبْلِ أَن يَأْتِيَكُمُ ٱلْعَذَابُ ثُمَّ لَا تُنصَرُونَ ۝٥٤

''اور اپنے رب کی طرف رجوع کرو اور اس کے مطیع ہو جاؤ اس سے قبل کہ تم پر عذاب آ جائے اور پھر تمہیں مدد بھی نہ ملے۔

وَٱتَّبِعُوٓا۟ أَحْسَنَ مَآ أُنزِلَ إِلَيْكُم مِّن رَّبِّكُم

اور اس بہترین کی اتباع کرو جو تمہارے رب کی طرف سے تمہاری طرف (قرآنِ مجید) اتارا گیا ہے

مِّن قَبْلِ أَن يَأْتِيَكُمُ ٱلْعَذَابُ بَغْتَةً وَأَنتُمْ لَا تَشْعُرُونَ ۝

اس سے پہلے کہ تم پر اچانک عذاب آ جائے جب تمہیں خیال بھی نہ ہو'' (الزمر۔۵۳۔۵۵)

ٱلضَّآلِّينَ، ضَلَـٰلٍ مُّبِينٍ کے معنی اور مفہوم جاننے کیلئے شروع کئے گئے اس مطالعہ کی ابتدا میں یہ اندازہ نہیں تھا کہ ہم اس منزل پر پہنچ جائیں گے۔ یہ حقیقت کی منزل ہے۔ اس کی ابتدا کہاں سے ہوئی تھی؟

وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدَىٰ ۝٧

''اور ہم نے آپ (ﷺ) کو جستجوِ حقیقت میں پایا اس لئے حقیقت بتا دی''۔

اس آیت مبارکہ کا مروجہ ترجمہ یہ ہے ''اور تجھے راہ بھولا پا کر ہدایت نہیں دی''۔ اور مولانا رضا احمد بریلوی کا خوبصورت ترجمہ ''اور تمہیں اپنی محبت میں خود رفتہ پایا تو اپنی راہ دی''۔ لیکن انگریزی زبان کے بعض مترجمین نے انتہائی غیر محتاط انداز میں اس آیت کا ترجمہ کیا تھا:

"And He found thee wandering and He gave thee guidance".

wan·der v (past wan·dered, past participle wan·dered, present pa rticiple wan·der·ing, 3rd person present singular wan·ders)

1. **vti travel without a destination: to move from place to place, either without a purpose or**

without a known destination

2. vi leave a fixed path: to stray from a particular course

3. vi daydream: to lose the ability to concentrate on or listen to a particular thing

4. vi take a curving path: to follow a winding course

5. vi stroll somewhere: to go somewhere at a leisurely pace

6. vi fail to think or speak clearly: to lose the ability to think, speak, or write in an organized and coherent way

n (plural wan·ders) aimless stroll: an aimless or leisurely movi ng from place to place

[Old English wandrian, from a prehistoric Germanic word meaning "turn," which also produced English wand] Microsoft® Encarta® Reference Library 2003.

[یارسول اللہ ﷺ! آپ کے متعلق انگریزی زبان میں اس غیر حقیقی اور جھوٹی بات کو دہرانے کیلئے اپنے لئے اوران مترجمین کیلئے معافی اور رحم کا خواستگار ہوں۔ آپ ﷺ درگزر فرمانے والے اور رحیم ہیں]

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے كَبُرَ مَقْتًا عِندَ ٱللَّهِ أَن تَقُولُوا۟ مَا لَا تَفْعَلُونَ ﴿٣﴾ ''اللہ کے ہاں یہ بڑی ناراضگی کی بات ہے کہ تم وہ بات کہو جو کرتے نہیں'' (الصف۔٣)۔ آقائے نامدار ﷺ وہ بات نہیں فرماتے جس پر خود کاربند نہ رہے ہوں۔ انہوں نے انسان کو ایک نصیحت فرمائی ہے ''تفکر کرو''۔ تفکر جستجو کا نام ہے۔ تفکر حقیقتِ شئے کی جستجو ہے۔ اور تفکر بھی دنیا و مافیا سے اعصابی نقطۂ نظر سے کچھ دیر کیلئے انسان کو بے خبر، غافل کر کے رفعتوں اور حقیقتوں سے باخبر کر دیتا ہے۔

وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدَىٰ ﴿٧﴾ ''اور ہم نے آپ (ﷺ) کو جستجوِ حقیقت میں پایا اس لئے حقیقت بتادی''۔

جستجو ایک سوال ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے رسولِ کریم ﷺ کی جستجو کو پورا کر دینے کے صلے میں ان سے اس روش کو اپنانے کا مطالبہ فرمایا

وَأَمَّا ٱلسَّآئِلَ فَلَا تَنْهَرْ ﴿١٠﴾ ''اور جو سوال کرنے والا ہے، اس لئے اسے (حقیقتِ شئے کو کھولنے سے) مایوس نہ کریں''۔

اللہ رب العزت نے انہیں یہ بھی یاد دلایا أَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيمًا فَـَٔاوَىٰ ﴿٦﴾ ''کیا اس نے آپ (ﷺ) کو یتیم نہیں پایا اس لئے مائل ہوا''۔ اور اس کیلئے فرمایا فَأَمَّا ٱلْيَتِيمَ فَلَا تَقْهَرْ ﴿٩﴾ ''اس سبب سے یتیم کے ساتھ سخت سلوک مت کریں'' (الضحیٰ۔٦،٩)۔ بچپن کی یہ بات بھی یاد دلائی وَوَجَدَكَ عَآئِلًا فَأَغْنَىٰ ﴿٨﴾ ''اور ہم نے آپ کو تنگ دست پایا اس لئے بے نیاز (غنی) کر دیا''۔ وَأَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ ﴿١١﴾ ''اور اپنے رب کی نعمت کو بیان کیا کریں''۔ (الضحیٰ ٨،١١)

ہم نے دیکھ لیا کہ اللہ تعالیٰ نے آقائے نامدار ﷺ کو اُن کے متعلق تین باتیں یاد کرائیں اور پھر ان ہی کے حوالے سے انہیں

نصیحت فرمائی۔ آقائے نامدار ﷺ کی ابتدا تھی وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدَىٰ ﴿٧﴾ ''اور ہم نے آپ (ﷺ) کو جستجوِ حقیقت میں پایا اس لئے حقیقت بتادی'' جستجو ایک سوال ہے۔ اور اللہ رب العزت نے رسولِ کریم ﷺ کی جستجو کو پورا کردینے کے صلے میں ان سے اس روش کو اپنانے کا مطالبہ فرمایا وَأَمَّا ٱلسَّآئِلَ فَلَا تَنْهَرْ ﴿١٠﴾ ''اور جو سوال کرنے والا ہے، اس لئے اسے (حقیقتِ شئے کو کھولنے سے) مایوس نہ کریں''۔ اور اس جستجو حقیقت کی منزل وہ تھی جب آقائے نامدار ﷺ افق اعلیٰ سے آگے قربتوں کے مقام پر تشریف لے گئے تھے۔ میرے آقا پر درود وسلام ہو ہر لمحہ صبح وشام کہ انہوں نے حقیقتِ شئے کو بتانے میں کوئی کمی نہیں چھوڑی اور ہمارا رب اس پر گواہ ہے۔ التکویر کی آیت ۲۲۔۲۴ میں فرمایا:

وَمَا صَاحِبُكُم بِمَجْنُونٍ ﴿٢٢﴾ ''اور (خبردار) تمہارے آقا کو سودا نہیں۔

وَلَقَدْ رَءَاهُ بِٱلْأُفُقِ ٱلْمُبِينِ ﴿٢٣﴾ اور انہوں نے اس سے قبل انہیں (جبرائیل علیہ السلام) افق مبین پر دیکھا تھا۔

وَمَا هُوَ عَلَى ٱلْغَيْبِ بِضَنِينٍ ﴿٢٤﴾

''اور وہ علم غیب (بتائی گئی حقیقتِ شئے، خبر) کو افشاء، منکشف کرنے میں بخل سے کام نہیں لیتے''۔

الحمد للہ قرآنِ مجید کی آیات مبارکہ ایک دوسرے کے معنی ومفہوم کو نکھار کر واضح کر دیتی ہیں اور ہمیں اس مطالعہ میں ان الفاظ ٱلضَّآلِّينَ، ضَلَٰلٍ مُّبِينٍ ،يَضِلُّ ضَلَّ (مادہ ''ض ل ل'') کے ابتدائی معنی اور مفہوم ''غفلت، غافل'' واضح ہوئے ہیں۔ عدم احتیاط غفلت کی ابتدا ہے۔ خبردار کئے جانے پر حالت غفلت ٹوٹ جاتی ہے۔ استغراق، غور وفکر میں محو ذہن (deep thinking) کا اعصابی رابطہ بھی اردگرد سے منقطع ہوسکتا ہے اور اس دوران ماحول سے غافل، حالت غفلت میں ہوسکتا ہے۔ کسی کی محبت اور جستجو اور ملنے کی خواہش میں مگن شخص کے متعلق بھی دوسروں کو گمان ہوسکتا ہے کہ حالت غفلت میں ہے۔ یعقوب علیہ السلام کی یوسف علیہ السلام کی جدائی کے غم میں حالت کچھ ایسی ہی تھی۔

وَلَمَّا فَصَلَتِ ٱلْعِيرُ قَالَ أَبُوهُمْ إِنِّى لَأَجِدُ رِيحَ يُوسُفَ لَوْلَآ أَن تُفَنِّدُونِ ﴿٩٤﴾

''اور جب قافلہ (وہاں مصر) سے چلا تو ان کے باپ نے (اپنے پاس موجود لوگوں سے) کہا ''مجھے یوسف کی ہوا (خوشبو) آتی ہے۔

اگر تم اسے بڑھاپے کا کمزور خیال نہ سمجھو تو''۔

قَالُوا۟ تَٱللَّهِ إِنَّكَ لَفِى ضَلَٰلِكَ ٱلْقَدِيمِ ﴿٩٥﴾

انہوں (وہاں موجود لوگوں) نے کہا ''اللہ قسم! آپ اپنے پرانے خیال ہی میں محو ہیں'' (سورۃ یوسف ۔۹۴۔۹۵)

یہاں بھی مادہ ''ض ل ل''، ہی ہے۔ یعقوب علیہ السلام کے خوشبوؤں سے مہکتے ہوئے اس قول کو پڑھنے کے بعد بھی کیا ہم میں اتنا حوصلہ ہے کہ ''ض ل ل'' کے معنی محض '' گمراہی، بھٹکا ہوا، گم کردہ راہ'' سمجھیں؟ یہ کیسی '' گمراہی'' ہے کہ قافلہ مصر سے محض یوسف علیہ السلام کی قمیض لے کر چلے اور میلوں دور دوسرے شہر میں بیٹھے یعقوب علیہ السلام کو یوسف علیہ السلام کی خوشبو آنے لگے؟ یعقوب علیہ السلام کے اس مہکتے ہوئے قول ہی کی بنیاد پر (موازنے اور تعصب کی بناء پر نہیں) میں نے مولانا رضا احمد بریلوی صاحب کے اس ترجمے کو خوبصورت کہا تھا وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدَىٰ ﴿٧﴾ ''اور تمہیں اپنی محبت میں خود رفتہ پایا تو اپنی راہ دی''۔

سبحان اللہ! قربتوں کے انتہائی قریب مقام تک کی راہ۔ محبت کا جواب محبت ہے۔ اللہ تعالیٰ کے نبیوں اور رسولوں کو ادب سے ہماری جھکی نگاہوں کے ساتھ ہر لمحہ سلام پہنچے۔ دانستہ غفلت وہ ہے جب انسان خبردار کئے جانے کے باوجود محض ضد اور ہٹ دھرمی سے اپنے نکتہ نظر کے ساتھ بندھا رہے اور اِسے گمراہی اور راہ سے بھٹکنا کہتے ہیں اور یہ عربی مادہ ''ض ل ل'' کی منتہا ہے اور راہ ہدایت کی ضد۔ گمراہی دانستہ فعل و عمل ہے۔

یارب! تو سچ کہتا ہے کہ مَا قَدَرُوا۟ ٱللَّهَ حَقَّ قَدْرِهِۦٓ ہم نے اللہ کی وہ قدر نہیں کی جتنی اس کی قدر کرنے کا حق ہے۔

یارب! تو ہمیں معاف فرما! تیری قدر کا ادراک تو تب کرتے اگر ہم تیری اس عظیم تخلیق، عظیم بندے کے مقام و مرتبہ کو سمجھ پاتے۔ تو ان کی عمر کی قسم کھاتا ہے لَعَمْرُكَ ''تیری عمر، زندگی کی قسم'' (حوالہ الحجر۔۷۲)۔ اور ایک ہم ہیں کہ ان کی عمر کو خانوں میں بانٹ دیتے ہیں۔

یارب! تو معاف فرما! تیرے اس احسان کی ہم قدر کرتے ہیں اور شکرگزار ہیں کہ تو نے انہیں مبعوث فرمایا اور گواہی دیتے ہیں کہ ان کا ہر لمحہ قرآنِ مجید کے نزول سے قبل اور بعد میں بھی صرف تیرے لئے ہے اگرچہ تیری اور رسولِ کریم ﷺ کی گواہی کے بعد کسی گواہی کی کوئی اہمیت نہیں۔ آقائے نامدار ﷺ پر درود و سلام ہے ہر لمحہ صبح و شام۔